کچھ وقت گزرنے دو

سائرہ رضا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

جب وہ ملا

سائرہ رضا

شادی کے تقریباً" دو سال بعد پیدا ہونے والے جڑواں بچوں نبیحہ اور ایبک نے جیسے خسارے کے سارے احساس کو مٹا ڈالا اور آج کی یہ تقریب بہت ساری خوشیوں کا باعث تھی۔

نوین اور اخطب کی شادی کی دوسری سالگرہ... نبیحہ اور ایبک کا عقیقہ اور اخطب کی کچھ دن بعد ہونے والی سالگرہ کو بھی آج ہی منا کر مزے کو دوبالا کیا گیا تھا گویا۔

خوشی، قہقہے، طمانیت، شکر کے سارے رنگ یہاں سے وہاں تک بکھرے تھے۔ سرخ ساڑھی میں گلاب بنی گھومتی نوین پر اخطب کی محبت بھری نگاہوں کا مستقل پہرہ تھا۔

دونوں ننھے بچے اپنی کاٹ میں پرسکون نیند کے زیر اثر تھے۔ ذرا سا کسمساتے تو میز پر گردن گرا کے بیٹھی نوال چونک کر کاٹ کو ہلا دیتی اور پھر دوبارہ گردن گرا کے آنکھیں موند لیتی۔

نوال اور ڈھیلی... یہ دو متضاد باتیں تھیں اور وہ بھی آج کے دن جس کے لیے اس نے ڈھیروں منصوبے بنائے اور آخری لمحے تک نوک پلک سنوارتی رہی مگر اس کا کیا کیجیے کہ عین وقت پر یعنی آج صبح جب وہ الارم

بجنے پر اٹھ نہ پائی کہ سارا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اتنے دنوں کی تھکاوٹ نے اثر تو دکھانا تھا۔۔۔ مگر آج ہی کیوں۔۔۔ نوال نے کنپٹیاں دباتے ہوئے کڑھ کر سوچا۔

نانو کو پتا نہ چلے' اس لیے وہ دبے قدموں فریج تک گئی اور بخار کا زور توڑنے کے لیے' جو جو دوا ہاتھ لگی۔ اکٹھی پھانک لی۔ اب ان سے بخار نے تو کیا اترنا تھا۔ شدید ترین غنودگی اعصاب پر حاوی ہو گئی۔ جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر نقاہت اور چکراتے سر کے باعث جب وہ ادھر ادھر ڈولتی پائی گئی تو سارے گھر کو خبر ہو گئی۔

ٹھنڈا ٹھار جسم' چڑھی ہوئی آنکھیں۔۔۔ اپنا سارا بوجھ نانو کے ناتواں کندھوں پر ڈال کر جب بھاری زبان کے ساتھ لڑکھڑاتے لہجے میں اس نے پوچھا۔

"آپ کون ہیں خاتون۔" تب نانو کے حواس کوچ کر گئے۔

"ہائے کسی نے میری بچی کو کچھ الٹا سیدھا کھلا دیا' اپنی نانو کو نہیں پہچان رہی ہائے۔۔۔" اسے صوفے پر بمشکل ٹکا کر نانو نے اگلے منٹ میں سب کو جمع کر لیا تھا۔ کھلانے کے نام پر اخفش پتا نہیں کیوں نظریں چرا جاتا' ہاں' یہ سچ تھا کہ اس نے بی بی نوال کو کچھ نہیں کھلایا پلایا تھا (مگر اس کا دل چاہتا تھا وہ اسے کچھ کھلا۔۔۔ پلا یا کم از کم چٹا کر غائب ضرور کرنا چاہتا تھا۔ جتنا کہ وہ تنگ تھا)

"بی بی رات ایک بجے تک لان کا سجاوٹ بنا تا تھا۔ امارے خیال سے اس پر کوئی جن عاشق ہو گیا ہے۔" بے زار لالا نے بے زار لہجے میں قطعیت سے کہا۔

نانو اور صوفیہ دادی کا رنگ فق ہو گیا۔

"کسی جن کی شامت نے دھکا دیا ہو گیا جو آپ کی نواسی پر عاشق ہو جائے۔ ہاں اس نے مرنے کا فیصلہ کر لیا ہو تو الگ بات ہے۔ کوئی زندگی سے بے زار جن ہی ایسا قدم اٹھا سکتا ہے۔" اخفش کا لہجہ بے زار خان سے بھی زیادہ اکتایا ہوا تھا۔

"بری بات اخفش۔۔۔! سیریس کنڈیشن ہے یہ۔ ڈاکٹر ہی بتائے گا کہ کیا ہوا ہے اسے۔" اخطب نے پیشانی پر ہاتھ رکھا جو ٹھنڈی برف تھی۔

"تو میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں ناں' اوئے بے خود! کہیں نسوار وغیرہ تو نہیں چاٹ لی تمہاری بی بی نے۔۔" اخفش نے بارعب آواز و انداز سے' پریشان کھڑے بے خود کو پکارا۔

"کیا بے ہودگی ہے اخفش۔۔۔!" نوین کو برا لگا۔ باقی سب کو بھی ناگواری محسوس ہوئی۔

"بے ہودگی نہیں ہے یہ۔۔۔ اس دن یونی ورسٹی کے باہر جو فقیروں کی جھگیاں ہیں' وہاں ایک چرسی کے سر پر کھڑے ہو کر اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ پوچھنے پر پتا چلا دیکھنا چاہتی ہیں آخر نشے والا سگریٹ بھرتے کیسے ہیں۔"

"کیا؟" سب کی متعجب آوازوں نے اخفش کو ہمت دلائی اب تو سارا قصہ سنانا ہی چاہیے۔

"میں نے سنا ہے' چرس پینے سے وزن کم ہو جاتا ہے؟" نوال نے سگریٹ بھرنا سیکھ لیا تھا لہٰذا اگلا بہت ضروری سوال چرسی سے پوچھا۔ چرسی نے لمبا کش بھر کے خلا میں گھورتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"ویری گڈ۔۔۔!" نوال نے سراہا۔ اس کے بعد دائیں بائیں دیکھا۔ اخفش سخت اچنبھے کے عالم میں نوال اور چرسی کی گفتگو سن رہا تھا۔ نوال کی متلاشی نگاہوں پر فوراً "اجنبی بن گیا۔ منہ ہی پھیر لیا۔ مگر آگے بھی نوال تھی۔ اسے پکار لیا۔

"اے اخفش! تم چرس کیوں نہیں شروع کر دیتے۔ پچ دنوں میں سلم اینڈ اسمارٹ ہو جاؤ گے۔" اخفش تو یوں ہو گیا جیسے وہ اخفش نہیں کوئی اور ہی ایکس وائی زیڈ ہے۔ نوال کو تقریر کا موقع مل گیا۔ "دنیا میں کوئی چیز بے کار نہیں ہے اور اللہ نے بلا جواز کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"بے وقوف۔۔۔ چرس نشہ ہے' لگ جائے تو چھٹتا نہیں۔۔۔" نوال کی کلاس فیلو نے لتاڑا۔

"تو موٹاپا بھی تو نشہ کی طرح مہلک ہے۔ آنکھ پر بھی

چربی چڑھتی ہے اور عقل تو باقاعدہ بند ہو جاتی ہے۔ سنائی بھی نہیں دیتا جتنا مرضی پکار لو۔ ورنہ کوئی اتنا فاصلہ بھی نہیں کہ میری آواز نہ پہنچی ہو۔" آخری جملہ چند قدم آگے ہو کر باقاعدہ اخفش کو سنانے کے لیے کہا گیا تھا۔

اخفش سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ دراصل اس نے نوال کے حوالے سے یونی ورسٹی میں قطعی اجنبیت کا رویہ اپنا رکھا تھا۔ نوال کچھ بھی کرے ' اخفش جیسے جانتے نہیں پہچانتے نہیں' کی مصداق ایک اجنبی کی طرح گزر جاتا۔ نوال بھی اس رویے کو بھانپ گئی تھی۔

یونیورسٹی کی یہ خاموشی اور لاتعلقی اسے بری لگتی کہ گھر میں تو اخفش اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر یقین رکھتا تھا یا چپ رہنا گناہ تھا جیسے.... اور ابھی اس وقت نوال کی اس حالت 'بند آنکھوں' ٹھنڈا جسم ' لڑکھڑاتی بھاری آواز سے نشہ کر لینے کا نتیجہ اخذ کیا تھا تو کون سا غلط کیا تھا۔ نوین نوال کی ہتھیلی سہلاتے ہوئے مسلسل پکار رہی تھی۔

"نوال 'نوال آنکھیں کھولو.... ہوش کرو ارے اللہ!"

نوال کچھ کہہ رہی تھی۔ اخطب نے ہونٹوں پر خاموش رہنے کی تلقین والی انگلی رکھی۔ شاید بھید ملے نوال کو ہوا کیا ہے۔

"ہوش والوں کو خبر کیا' بے خودی کیا چیز ہے۔" نوال اٹک اٹک کر گنگنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ارے اللہ...." نانو کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"ضمیر نے میرے بھروسے پر جوان لڑکی کو چھوڑا تھا اور میں ہی بچی کی حفاظت نہ کر سکی۔" نانو کے بیان کی تائید سب نے سہلا کر کی۔

"جی نانو....؟" نوال نے ذرا سی آنکھ کھولی۔

"بھروسے کی چادر میں ایک بار.... چھید ہو جائے تو.... پھر کسی سوئی سے رفوگری نہیں ہو سکتی۔" آنچ (ہچکی بھری)

"واہ....؟" اخفش نے سینے پر ہاتھ لپیٹ کر نوال کو جی بھر کے گھورتے ہوئے داد دی۔ "اش اش تو باقی گھر والے بھی کر رہے تھے۔ اندر داخل ہوتے دادا جان نے تو اظہار بھی کر دیا۔

"بھئی' بہت خوب' سبحان اللہ.... جو لڑکی بے ہوشی کے عالم میں اتنے اعلا و ارفع خیالات رکھتی ہے۔ وہ ہوش مندی میں کیا قیامت ڈھاتی ہو گی۔ ماشاء اللہ ' ماشاء اللہ۔"

"بالکل۔" اخفش نے دانت کچکچائے۔ "ہوش میں ہوتی ہے تو سگریٹ بھرنا سکھتی ہے۔"

"بس کرو اخفش! تم نے تو بچی کا پیچھا ہی لے لیا۔" صوفیہ نے اپنی شدید پریشانی کو کم کرنے کے لیے پوتے کو جھاڑا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی چوٹ وغیرہ لگ گئی ہو۔ تم تو ساتھ تھے ناں بے خود در ختوں' دیواروں پر چڑھ کر لگا رہی تھی یہ غبارے اور بتیاں' نہیں گری ہو اور سر پر کاری ضرب لگنے سے حواس جاتے رہے۔"

نوین بھی قیاس کے گھوڑے دوڑا رہی تھی۔ سب کی نگاہیں بے خود خان پر ٹک گئیں جس نے منہ سے

جواب دینے کے بجائے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ سب کی فکر مندی مزید بڑھ گئی ڈاکٹر بھی آکر نہیں دے رہا تھا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا ہے رات کا وقت تھا۔ درختوں پھولوں کی خوشبو پر جن آتا ہے۔ تعویذ منگوانا پڑے گا تعویذ..." بے زار لالہ ابھی تک مصر تھے۔

"ارے خوامخواہ... بے زار خان یہ میرا گھر ہے میرا... اور میرے جیسے بھوت کے ہوتے ہوئے کسی جن کی کیا ہمت ہے۔ جو ادھر کا رخ بھی کرے۔"

دادا جان نے سینہ تان کر اپنے بارے میں ایک نیا انکشاف کیا۔ تو سب چونکے اور کسی حد تک یقین بھی آنے لگا۔ سرخ و سفید رنگ پر کالا سیاہ ٹریک سوٹ جس پر کسی خون آشام بھیڑیے کی آنکھیں بجی تھیں اور آنکھوں کا سرمہ اف...

سب کو جائزہ لیتے دیکھ کر دادا جان نے مزید سینہ پھلایا۔

"بھوت ناتھ ریٹرن... دادا جان' بچ... ایسی بات پہ پارٹی بچ... تو بنتی ہے بچ بچ۔" نوال کو سب سنائی دے رہا تھا۔ یعنی دماغ ہوش میں تھا مگر یہ آنکھیں۔

"ارے بابا پارٹی تو رات کو ہے ہی... مگر اس حال میں کیسی پارٹی کہاں کی پارٹی۔" صوفیہ نے سر پکڑا۔

"مجھے لگتا ہے اس نے واقعی کچھ الٹا سیدھا کھا لیا ہے۔" نانو کو اخفش کی باتوں پر ہمیشہ زیادہ اعتبار ہوتا تھا۔ اخفش حمایتی مل جانے پر مزید غصے سے کھڑا ہوا۔

"بخار کم کرنے کے لیے دو تین ٹیبلٹس کی ایکسٹرا ڈوز لی گئی ہے اور کھانسی کا کوئی سیرپ۔ بہت زیادہ مقدار میں پی لیا ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے فوراً" بتا دیا جیسے کہ سامنے ہی ہو۔

بعد میں نوین فریج کے اوپر سے آدھی پی ہوئی کھانسی کے سیرپ کی بوتل اٹھا لائی۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر کی بروقت درست تشخیص نے بہت بہتری دکھائی۔ اتنی کہ نوال نے کپڑے بھی بدل لیے۔ اور گاؤ تکیے کے سہارے آنکھیں موند کر لیٹے لیٹے میک اپ کروا لیا... بالوں کو وہ ویسے بھی بنانے کا تکلف کرتی نہیں تھی گھونگھریالا جنگل خودرو بیل کی طرح جس رخ چاہتا مڑ جایا کرتا تھا' مون لائٹ کی چمکتی گولڈن ٹائٹس پر میرون گولڈن چنری والی کرتی پر چنا دوپٹا جھولی میں بھر کے وہ ساری شام میز پر سر گرائے اونگھتی رہی یا پھر کبھی کبھار مندی مندی آنکھوں سے رنگ و بو کے سیلاب کو دیکھ لیتی۔

نانو سارا وقت اس کی میز پر رہیں۔ نواسا' نواسی کی پہلی باقاعدہ تقریب کے باعث مووی اور فوٹوز کے لیے انہیں بار بار پکارا جاتا' مگر وہ نوال کی حالت کے پیش نظر انکار کر دیتیں یا پھر بس گھڑی بھر کو اٹھتیں اور فوراً" ہی واپس پلٹ آتیں۔ بعض اوقات چند منٹ کی غیر حاضری کے لیے بھی کسی کو نگہبان بنا کر بٹھا جاتیں۔

ایسے ہی ایک پل میں اخفش ادھر آنکلا... بے خود خان متفکر سا نوال کے نزدیک کرسی رکھے باقاعدہ چوکیداری کر رہا تھا۔ اخفش کو غصہ تھا' نوال نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا گویا... اور اب جبکہ ڈاکٹر صاحب "سب ٹھیک" کی رپورٹ دے گئے تھے تب بھی اونگھنے اور ڈولنے کا کیا مقصد...

"تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے۔ اتنی جلدی مرنے والی نہیں ہے تمہاری نوال باجی... کم از کم آدھے شہر کو ساتھ لے کر ٹلے گی یہ مصیبت۔" بے خود کو اخفش کے جملوں سے زیادہ لہجے نے تکلیف دی۔

"دشمنی کے بھی اصول ہوتے ہیں اخفش بھائی جان! ہم خان لوگ کبھی کمزور دشمن پر حملہ نہیں کرتے۔"

"اوہ بابا حملہ نہیں کر رہا۔ تمہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔"

"یہ حملہ ہی تو ہے ناں۔ ابھی نوال بی بی ہوش میں ہوتا تو آپ کو جواب دیتا مگر..." بے خود بہت دکھی تھا۔

"میں سب سن رہی ہوں بے خود...!" اس سے پہلے اخفش جواب دیتا گردن گرا کر بند آنکھوں کے

ساتھ پڑی نوال کے لب کھلے، دونوں بری طرح چونکے۔

"آدھے شہر کا تو پتا نہیں مگر تمہارے اس بھائی جان سے پہلے ٹلنے والی نہیں میں، ہم دشمنی قبر تک نبھانے والے لوگ ہیں بے خود خان اس لیے قبر تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں ہائے!"

"دیکھا۔ دیکھا میں نہ کہتا تھا یہ سب ڈراما ہو رہا ہے۔ سب کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش اچھے خاصے ماحول کو افسردہ و پریشان کر کے خود اوندھی پڑی ہے۔ اعصاب جواب دے گئے۔ آنکھ کھل نہیں رہی، قدم اٹھانے کی سکت نہیں مگر بس ایک زبان ہے جس پر کچھ اثر نہیں کرتا۔"

"تو تم کیا چاہتے ہو میں گونگی ہو جاؤں؟" نوال خوب ہمت کر کے سیدھی ہوئی اور اکھڑ لہجے میں پوچھا۔

"ہنہ جیسے میرے کہنے سے تو ہو جاؤ گی؟" انفش کو کب یقین تھا اس کی تابع داری کا۔

"نہیں نہیں تم کہہ کر تو دیکھو۔" نوال کے لہجے سے اتنی تابع داری جھلکنے لگی جیسے وہ ساری رات ایک ٹانگ پر کھڑی رہنے والی بات بھی مان لے گی۔

"رہنے دو۔ کہہ کر تو دیکھو۔ جیسے میں تمہیں جانتا نہیں۔ گونگا ہو کر تم نے کون سا باز آجانا ہے۔ اشاروں سے بولنا شروع کر دو گی بلاوجہ کی بدنامی۔ لوگ کیا کہیں گے اشارہ باز لڑکی۔ سکون ہمیں اب بھی نہیں ہے۔ سکون ہمیں تب بھی نہیں ہو گا۔"

انفش کے اس بیان نے ثابت کر دیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے سخت مخالف ضرور ہیں مگر شاید ایک دوسرے کو سب سے زیادہ جانتے بھی ہیں۔ نوال نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا مگر زبان میں لڑکھڑاہٹ سی آرہی تھی۔ اس نے "تو یا" انگلی اٹھا کر جیسے اسے باز رکھنا چاہا مگر نقاہت نے اجازت نہ دی۔

"تمہارے اس تجزیے و تبصرے کا جواب ادھار رہا میں تمہیں۔"

نوال کی آنکھیں ایک بار پھر بند ہو گئیں اور ایسے وہ اتنی معصوم لگتی تھی کہ کیا کہیے۔ انفش نے ادھر ادھر دیکھا۔ ہوں، شکر کوئی متوجہ نہیں تھا آہ مگر یہ بے خود خان۔۔۔ ہاں اس نے تو سب سنا تھا واحد چشم دید گواہ...

انفش پہلے تو جارحانہ انداز سے اسے دیکھتا رہا پھر یکدم کچھ مطمئن ہوا۔ بے خود خان کی کہانی یہ تھی کہ وہ جملوں کی گہرائی طنز کے نشتر کی کاٹ، تک تو نہ پہنچ پاتا تھا کہ کس نے کتنا اسکور کیا۔ یا کس کے جملے زیادہ پاور فل تھے۔

اسے تو بس نوال باجی کے چہرے کی طمانیت، مسکراہٹ اور انفش بھائی کے پھڑکتے نتھنوں، بھنچتی مٹھیوں اور آخر میں واپس پلٹتے قدموں کی دھمک سے اندازہ ہو جاتا تھا۔ جیت ہمیشہ کی طرح نوال باجی کے حصے میں آئی ہے۔

بے خود خان نے نوال باجی کو دیکھا۔ اس کی اردو اتنی اچھی نہ تو بولنے میں تھی نہ لکھنے پڑھنے میں۔ لیکن اسے خیال یہی آرہا تھا کہ جیسے مرا ہاتھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ ایسے ہی مری نوال باجی بھی لاکھوں سے کم تو نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"چھوٹی موئی کے بعد۔۔۔ میری تو مانو زندگی اندھیر ہو گئی۔ اتنی کم عمر لکھوا کر لائی میری بچی۔۔۔!" مہمان آنٹی کی آواز بھرائی اور ساتھ ہی آنکھیں ٹپکنے لگیں۔ ماحول بے حد رنجیدہ ہو گیا۔ صوفیہ دادی نے اپنی وہیل چیئر کو ذرا آگے سرکایا اور اپنی چچا زاد بہن پلس بچپن کی سہیلی اور دہی سے تازہ تازہ در آمد مہمان کے بھرے بھرے سے گلابی ہاتھ کو تشفی دینے کے انداز سے تھام لیا۔ دوسرے ہاتھ سے آنسو بھی پونچھنے کی سعی کی جو بہتے ہی چلے آرہے تھے۔

"ایسے مت رو لیلی! ہر شخص نے مرنا ہی ہے۔ کوئی پہلے کوئی بعد میں آگے پیچھے کا نمبر ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہو صوفیہ!" آنٹی نے ٹشو باکس سے ایک ڈھیر سا نکالا باکس کو اپنے بڑھے پیٹ پر رکھ لیا

تھا۔ بے حد افسردگی کے باوجود نوال ٹشو بکس کے اس نئے ریک کو دیکھ کر مسکرادی تھی۔

"رونا چھوٹی موئی کے چلے جانے کا تھوڑی ہے۔ تم نے دلاور کو دیکھا۔ اس نے تین مہینے فقط تین مہینے بعد دوسرا بیاہ رچالیا کوئی ایسے بھی کرتا ہے بھلا۔" داماد کی یہ عجلت دل پر چھری چلاتی تھی۔

"یہ عورتیں ہی ہوتی ہیں جو بیوگی کے سو سال بھی کاٹ لیتی ہیں۔ مرد تو بیوی کے جنازے پر پرسے کے لیے آئی عورتوں ہی میں دوسری کو تاڑ لیتے ہیں۔ مردوں کا بس چلے تو بیوی کے سوئم کے ساتھ اپنے ولیمہ کو بھی بھگتادیں۔"

ان کے اقوال میں اتنی صداقت تھی کہ نوین کی نظریں اخطب پر جبکہ دادی نے بے ساختہ اپنے شوہر نامدار کو دیکھا تھا نوال جو اب بخار سے مکمل طور چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد نوین کے اصرار پر ناشتہ کرنے ادھر آئی تھی، اپنی فطرت کے برعکس کچھ چپ چپ تھی۔ سر ہلکا بوجھل تھا۔ منہ کا ذائقہ کڑوا۔

مگر ان آنٹی کے خیالات نے جیسے دل و دماغ پر چھائی کثافت دور کردی تھی۔ مگر ترحم بھرے انداز سے سنتا اخفش آنٹی کے دکھ کو سمجھتا تھا مگر یہ جو نوال نے ہر نئے انکشاف کے بعد ارادتا" یا شاید بے خیالی میں اخفش کو دیکھنا شروع کردیا تھا۔ یہ تاثر اور الزام کم از کم اب برداشت سے باہر تھا۔ مگر آواب محفل وہ اٹھ کر بھی نہیں جاسکتا تھا۔

"دیکھتی میں، جو مردوں پر عدت فرض ہوجاتی۔ کرنا پڑتا انتظار چار ماہ دس دن۔۔۔"

آنٹی کا دکھی لہجہ دھمکاتا ہوگیا۔ کاش یہ کوئی قرارداد ہوتی تو اللہ کے حضور پیش کردیتیں کہ مرد بھی۔۔۔ ورنہ ان کے داماد نے جو تین ماہ بعد ہی سہرا سجالیا۔ ہوگا پہلے کا کوئی چکر۔۔۔ وہ آخر میں یہ سوچتیں اور نئے سرے سے کڑھنا شروع کردیتیں تینوں میزبان مردوں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے (عدت۔۔۔ اللہ نہ کرے)

اس محفل میں ایک بندی اور بھی تھی جو اس ساری گفتگو سے بے نیاز تھی۔ یہ مہمان آنٹی کی اکلوتی نواسی تھی۔ ان صاحب کی بیٹی جس کی برائیاں اللہ جھوٹ نہ بلوائے، کوئی دو گھنٹے سے جاری تھیں اور اسے تو جیسے پرواہی نہ تھی کہ اس کے والد بزرگوار کا ذکر خیر کیسے کیا جارہا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اپنی نانی کی رائے سے متفق ہو، آخر اسی کے باپ نے تو فقط تین ماہ بعد دوسرا بیاہ۔۔۔

وہ کبھی در و دیوار کی آرائش دیکھتی، کبھی چھت کو۔۔۔ کبھی یونہی اڑتی پڑتی سی نظر حاضرین پر ڈال لیتی اور پھر توجہ کہیں اور مرکوز کرلیتی۔

اس کا رویہ ناقابل فہم تھا۔ مگر نوال نے اندازہ لگایا۔ وہ اپنی نانی کے کلام سے متفق ہی ہوگی، ورنہ کون بیٹی اپنے باپ کی اتنی دیر تک عیب جوئی سن سکتی ہے۔ کم از کم نوال ضمیر خان تو ایسی بیٹی نہیں تھی۔ ڈیڈ سے محبت میں نوال کے اصول کچھ بے اصولی کی جانب مائل تھے۔ ڈیڈ غلط ہو ہی نہیں سکتے اور اگر ہیں تو۔۔۔ تو بھی کسی کو کیا۔۔۔ نوال وہی بچی تھی ناں، جو اپنے ڈیڈ کا اس وقت سہارا بنی جب وہ ایکسیڈنٹ کے بعد ٹانگیں ضائع ہوجانے کے ڈپریشن میں گھر کے ہر چیز سے مایوس ہوگئے تھے۔ اپنے آپ سے، دنیا سے، اپنے ہر رشتے سے۔ ایسے میں نوال ہی تو تھی جس نے انہیں زندگی کی طرف دوبارہ موڑا۔

☆ ☆ ☆

محفل وہی تھی مگر موضوع گفتگو بدل جانے سے ماحول و موڈ بھی بدل گیا تھا۔ نوال کے کچھ نڈھال اعصاب پوری طرح بحال ہوچکے تھے۔ وہ سخت بے یقینی کے عالم میں آنٹی کو سن رہی تھی اور نواسی کو دیکھ رہی تھی۔

"سوتیلی ماں کیسے کیسے نہ ظلم ڈھاتی معصوم بچی پر۔۔۔ میں تو لے آئی اسے اپنے ساتھ۔۔۔ اکلوتی بیٹی کی اکلوتی بچی آہ۔"

"معصوم بچی! بیس اکیس برس سے کیا کم ہوگی۔" نوال نے قیاس کے گھوڑے دوڑائے۔

"پھولوں کی طرح رکھا ہوا تھا چھوٹی موئی نے

اسے۔" (چھوٹی موئی آنٹی کی مرحومہ بٹی کا نک نیم تھا)

"اور یہ اتنی معصوم ہے کہ اسے خبر تک نہیں کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔" معصوم کانوں میں ہینڈ فری ٹھونس رہی تھی۔

"چالاکی نام کو نہیں ہے۔ میں کہتی ہوں اتنی سیدھی کا اس دنیا میں گزارا کیسے ہو گا۔" آنٹی کا لہجہ سخت پریشانی کا غماز تھا۔

"سیدھی۔" گانا سیٹ کر لینے کے بعد اب ریمور اور کاٹن سے اپنے ناخن پر لگا چمکیلا سنہری رنگ اتارنے لگی تھی۔ پاس ہی ایک اور چمک دار دمکتا سرخ رنگ موجود تھا۔

"اتنا چھوٹا سا چڑیا جیسا دل ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر گھبرا جاتی ہے۔ میں تو اسے خبریں تک سننے نہیں دیتی۔ بریکنگ نیوز کی ڈھن ڈھنا ڈھن اچھے اچھوں کا دل دہلا دیتی ہے پھر میری بچی تو کسی کی اونچی آواز تک برداشت نہیں کر سکتی۔"

سب کی ترحم آمیز نگاہیں چڑیا پر جمی تھیں چڑیا نے موبائل سنبھال رکھا تھا۔ کانوں کو جاتی تاریں.... پھر نیل کلر لگانے کی مصیبت 'ہاتھ ذرا سا لڑکھڑایا' موبائل زمین پر گر گیا۔ اوہ! نوال نزدیک ترین تھی۔ وہی مدد کو آگے بڑھی 'چڑیا نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا رکھے تھے۔ نوال ہی کو دوبارہ موبائل سیٹ کر کے دینا تھا۔ پھر یونہی دھیان آیا 'ذرا دیکھے تو جدید سسٹم کے مہنگے ترین موبائل کو کانوں سے لگائے سیدھی معصوم چڑیا سن کیا رہی ہے۔ نوال نے والیوم بلند کیا۔ ہائیں... نوال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ چونکے تو باقی سب بھی تھے۔

یو یو ہنی سنگھ کی آواز.... وہ لڑکی کو گھر سے بھاگنے کا پراپر طریقہ سمجھا رہا تھا۔

یار تیرا سپر اسٹار دیسی کلا کار
میں پت جٹ دا مندا نہیں ہار

واقعی معصوم جتنی سیدھی بتائی گئی تھی۔ لے لیے ایسا تربیتی گانا بہت ضروری تھا۔ دوسری طرف آنٹی ابھی تک نواسی کے بارے میں مکمل معلومات دے رہی تھیں۔

"اور ویسے بھی یہ نیوز ویوز مردوں کا کام ہے۔ مضبوط دل ہوتے ہیں ان کے.... سنتے رہیں بیٹھے، بچیاں تو بس پھولوں 'گہنوں کی باتیں کرتی اچھی لگتی ہیں۔"

آنٹی کے سنہری خیالات کا جھرنا بہہ رہا تھا۔ فیض عام تھا گویا سب ہی فیض یاب ہو رہے تھے۔ سب سے آگے اخفش انعام....

یہ تو گویا میرے دل میں تھا.... کی مصداق اب عقیدت سے سن رہا تھا۔ نوال نے سب کو دیکھا۔ باقی سب صرف سننے والے تھے۔ ان کے چہروں پر واضح لکھا نظر آیا تھا۔ "مدیر کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔"

جبکہ اخفش صاف دکھائی دیتا تھا۔ سر دھن رہا تھا جبکہ اخطب اور دادا جان نے جمائیاں اور انگڑائیاں لینی شروع کر دی تھیں۔

ادھر چڑیا اپنے پنجوں اوہ سوری' ناخنوں پر رنگ کر رہی تھی گردوپیش سے ناآشنا.... مگن 'کان یقیناً 'یو یو ہنی سنگھ کی ہدایات پر لگے تھے اور ہاتھوں کی مہارت' ہاتھوں پر بہار بن کر جھلکنے لگی تھی۔

نوال نے تسلیم کیا۔ خوب صورت انگلیاں مزید خوب صورت لگ رہی تھیں۔

"میں نے کبھی گرم ہوا بھی نہ چھونے دی تھی۔ اپنی بچی کو.... مگر وہ بد نصیب عمر ہی کم لکھوا کر آئی تھی۔" آنٹی کا بیان جاری تھا۔ کبھی بیٹی تو کبھی نواسی۔

"بہت خوش نظر آتی تھی ماں کے ساتھ مگر کیا میں نے دنیا نہیں دیکھی۔ میں کیسے چھوڑ دیتی اسے سوتیلی ماں کے برتن دھونے کے لیے.... دیکھ تو رہی ہو تم' کتنی نازک سی ہے میری نازک اندام۔"

صوفیہ ہریات پر پہلے ہی آمنا صدقنا تھیں' اب کیسے قبلہ بدلتیں۔ زور و شور سے سر ہلایا۔ جبکہ نوال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے تیزی سے گردن گھما کر نازک کو دیکھا پھر نوین کو وہ بھی اسی شاک کے عالم میں تھی۔ کل دوپہر سے آئی دادی کی یہ کزن اپنی چہیتی

نواسی کو معصوم کہہ رہی تھیں' نام پر غور کسی نے کیا ہی نہیں ... تو کیا سیدھی معصوم چڑیا بتائی جانے والی گوشت کی ایسی چھوٹی سی پہاڑی کا نام نازک تھا' نہ ... نازک نہیں نازک اندام ...

"ہائے۔" نوال نے دل پر ہاتھ رکھا آسمانی چوڑی دار پاجامہ' آسمانی اور سرخ پرنٹ کا کسا ہوا کرتا ... (شامیانہ) اور چنا ہوا رنگین دوپٹا ... بے پناہ ریشمی بال اسٹیپ کٹنگ تھی ایک دائرہ چہرے کے گرد ... پھر ایک کانوں سے نیچے ... پھر گردن کے اطراف ... اور شانے اسی طرح آخیر میں کمر کے درمیان میں ایک سیدھی برابر لٹ ... بڑی بڑی آنکھیں' صحت مند گلابی گالوں میں دھنسی تھیں۔ ناک پیاری تھی اور پتلے نرم ہونٹ ... چہرہ خوب صورت تھا بہت زیادہ ... مگر اس پر گوشت بھی تھا ... بہت زیادہ۔

اور نام ... نازک ... اوں ہوں' نازک نہیں نازک اندام۔ نواسی نانی کا پرتو تھی تو اس کا مطلب ہے جس بیٹی کو وہ چھوٹی موٹی کہہ رہی ہیں وہ بھی ...؟ نوال کی تو سوچ کا دائرہ سمٹ کر رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆
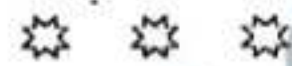
بظاہر اخفش کا کوئی قصور نہیں تھا۔ مگر سب ایسی ملامتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے کہ بے چارہ صفائی دینے سے بھی گیا اور کوئی موقع ہوتا تو وہ لاپروائی سے ہنس کہہ کر یا "مجھے کیا ... یا میں کیا کروں" کہہ دیتا' مگر اس وقت کچھ تکلیف دل میں محسوس ہو رہی تھی۔ اور کچھ حیرانی تھی۔ اسی لیے بہت گہرائی تک جا کر سوچ نہیں رہا تھا (ہاں بعد میں خیال آتا ... بلکہ لازمی آتا) کہ چوٹ لگنے سے لے کر گھر پہنچنے تک اس نے لب سے سی تک نہ نکالی' اور اب جب سارے گھر کو اپنے گرد اکٹھا کر لیا تو باقاعدہ روتی تھی اور زخم کسی کو دیکھنے بھی نہ دیتی تھی' ہاتھ لگانا تو دور کی بات ... مگر خیر چار انچ سے کچھ لمبا کٹ جوائیڑی سے اوپر سیدھا پنڈلی کی طرف جا رہا تھا اور گوشت گویا کھلا پڑا تھا۔

اس کی کولہا پوری براؤن چپل کامن کے باہر پڑی تھی اور خون سے لت پت تھی۔ دروازے سے اندر کرسی تک خون کے قطرے تھے۔ اور سچ مچ دل کو دہلاتے تھے۔

"بس میرا ستارہ کسی نحوست کے زیر اثر ہے نانو!" نوال نے نانو کے رنگ اڑے چہرے کو دیکھ کر خود کو نارمل ظاہر کیا۔

"اوں ہوں ... یہ ستارے وتارے کچھ نہیں ہوتے۔ تمہیں خیال کرنا چاہیے تھا۔" نوین نے اس کے خیال کو جھٹلایا۔

"بس تو پھر مجھے کسی کی نظر لگ گئی ہے۔" نوال نے اک ادا سے پلکیں جھپکائیں۔

"ہوں۔" اشتیاق احمد نے سر سے پیر تک نوال کو دیکھا اور تائید میں سر ہلایا۔

"میں پیاری بھی تو کتنی ہوتی جا رہی ہوں ناں!"

"یہ کس نے کہا ...؟" لاکھ اخفش نے براہ راست منہ نہ لگنے کی قسم کھا رکھی تھی مگر اب بھی نہ بولتا تو پھر کب ...؟

"کس نے کہنا ہے اسے خود آگاہی کہتے ہیں جناب ... ویسے بھی حسن بتایا نہیں جاتا' محسوس ہو جاتا ہے۔ جو بتایا جائے' سمجھایا یا جتایا جائے وہ حسن' تھوڑی ہوتا ہے۔ وہ تو کوشش ہوتی ہے۔ حربہ ہوتا ہے اور سچ کہوں تو خواری ہوتی ہے اور یہ جو میرا حسن بے نیاز ہے' یہ تو ساحل کی ہوا ہے۔ رات کی رانی کی خوشبو ہے۔ ایک دلفریب احساس ہے ایک ..."

"بس کرو نوال ... ابھی تو تم نے چلا چلا کر سارا گھر سر پر اٹھا رکھا تھا اور اب اچانک نثر نگار ہو گئیں۔" نوین نے ٹوکا۔ اس کا سارا دھیان اس بات پر تھا' پٹی بندھے گی یا ٹانکے لگائے جائیں گے۔

"ہاں تو درد تو اب بھی ہو رہا ہے۔ یہ تو میں دل بہلانے کے لیے کہہ رہی ہوں۔" نوال نے چہرے پر نقاہت طاری کر لی۔ "ہائے مما ... ہائے ڈیڈ!"

"شور مت کرو اور اپنا ٹراؤزر چینج کر لو سارا پائنچہ خون میں لت پت ہے۔ اخطب نے گاڑی بھیج دی ہے۔ ابھی ڈاکٹر کے پاس چل رہے ہیں۔" نوین نے

کہا۔

"خلا میں گیٹ تک چل کر نہیں جا سکتی۔" وہ بسوری۔

"ہم تمہاری کرسی اٹھا کر گیٹ تک رکھ دیں گے۔" اخفش نے کہا نوال نے منہ پھیر کے ہونہہ کیا۔

"ضرورت نہیں ہے' اٹھا کر رکھ دیں گے۔" اس نے نقل اتاری۔ "میں اپنا بوجھ خود اٹھا سکتی ہوں آخر یونیورسٹی سے گھر تک بھی تو بنا کسی سہارے کے آئی ہوں ناں۔"

اخفش سے شکوے شکایت والا رشتہ نہیں تھا۔ مگر منہ سے نکل گیا تھا۔ ادھر اشتیاق احمد کے کان کھڑے ہوئے انہوں نے کچھ چونک کر دونوں کو دیکھا۔

"سنو نوال! یہ اخفش بھی اسی شٹل میں تھا جس میں تم تھیں۔"

نوال نے منہ پھلا لیا اور سر زور زور سے اثبات میں ہلایا۔

"پھر بھی تمہیں پتا نہیں چلا کہ یہ کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔" اشتیاق احمد کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا۔

اب اخفش کیا جواب دیتا۔ وہ شٹل میں سب سے آگے کھڑا تھا جبکہ نوال سب سے پیچھے بیٹھی تھی۔ شٹل میں طالب علم ایسے بھرے ہوتے تھے جیسے صبح صبح پولٹری فارم سے مرغیوں کو ٹرک میں بھر کے شہر میں لایا جاتا ہے۔ دبے' بھنچے' کھسے' شور مچاتے طالب علم۔۔۔ اسے پیچھے کی جانب شور محسوس ہوا تھا مگر سر نکل کے کیسے دیکھتا۔ پھر اس نے نوال کے نام کی پکار بھی سنی تھی۔ مگر نظر انداز کر کے کانوں میں ہینڈز فری ٹھونس لیا کہ جس طرف نوال ہو وہاں چیخ و پکار نہ ہو' کوئی ہنگامہ نہ ہو۔ یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے۔ مطلوبہ اسٹاپ پر دونوں آگے پیچھے ہی اترے تھے۔ اخفش نے خود نوال کو اترتے دیکھا تھا۔ مگر اخفش اپنے دوست کی بائیک پر بیٹھ کر رفوچکر ہو گیا۔ جبکہ نوال اپنی ایک کلاس فیلو کے ساتھ کبھی پیدل اور کبھی رکشہ کر کے آجایا کرتی تھی اس میں نیا کیا تھا۔

وہ بائیک پر تھا اس لیے گھر پہلے پہنچا۔۔۔ نوال دس منٹ دیر سے۔۔۔ اور وہ دروازے سے ہی دہائیاں دیتی آ رہی تھی۔ آوازیں اتنی ہولناک اور بلند تھیں کہ اشتیاق احمد اور نوین اپنے گھر سے بھاگے آئے۔

لان میں ملنے والے بے خود خان نے حواس باختگی کے عالم میں بتایا۔ "بی بی کا سارا خون نکل گیا۔" اخفش کو جھوٹ لگا۔ ابھی تو ہنستی شٹل سے اتری تھی۔ تو خون کب نکلا جبکہ بے خود کہہ رہا تھا۔ یونیورسٹی بس کے اندر سیٹ کے نیچے کولڈ ڈرنک کی ٹوٹی بوتل پڑی تھی۔ بس کو جھٹکا لگا تو وہ نوال کی ایڑی کو سینہ چاکاٹتی چلی گئی۔

"ہائیں!" اخفش کو سب جھوٹ یا ڈراما لگا مگر دروازے کے پاس خون بھری جوتی اور آگے۔۔۔ خون کے قطرے۔۔۔ اور پھر زخم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کے دل کو سچ مچ کچھ ہوا۔ بعد میں نوال نے بے خود خان کے بیان کی تصدیق کر دی۔

"تو بیٹا! تم اخفش کو پکار لیتیں۔ وہ تمہاری ہیلپ کرتا۔ ٹیکسی کر کے تمہیں گھر لاتا' بلکہ ڈاکٹر کے ہاں سے ہوتے ہوئے گھر آتے۔"

تائو کی اخفش سے محبت کمال تھی۔ وہ اب بھی غلطی نوال کے کھاتے میں فٹ کرنے والی تھیں کہ نوال ایک بار اخفش کو بتاتی تو سہی۔ جب اس معصوم کو معلوم ہی نہیں تو۔

"ہاں نوال۔۔۔ امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تمہیں بتانا چاہیے تھا۔ تم دونوں ایک ہی بس میں تھے۔ ایک راستہ' ایک گھر۔" نوین کے لیے بھی سوال اہم تھا۔

"کیا بتاتی خالہ!" نوال نے سرد آہ بھر کے نگاہیں خلا میں کہیں ٹکا دیں۔

"وہ ہم سفر تھا مگر اس سے ہم نوائی نہ تھی۔"

وہ گنگنائی اور ایسی الزام لگاتی نگاہیں اخفش پر جما دیں کہ اخفش اگر موم کا ہوتا تو پگھل جاتا۔ نمک کا ہوتا تو گھل جاتا۔ مگر اخفش انعام تو چربی کا ڈھیر تھا۔ عقل پر چڑھی' دل پر چڑھی' آنکھ پر چڑھی۔

حق ہا۔۔۔ یہ بدگمانی بھی کیا چیز ہے۔

ہر منظر کو سیاہ کر دیتی ہے
پھول نظر نہیں آتا بس کانٹوں کی چبھن یاد رہتی ہے

عطر کی شیشی نہیں کھولتے، خوشبو اڑ جائے گی پاگل یہ نہیں سوچتے خوشبو پھیل بھی تو جائے گی۔
بد گمان لوگ خوش نہیں رہتے... کسی کو رہنے بھی تو نہیں دیتے۔
مسکراتے نہیں... کہ دل کا بھید کیوں دیں۔
ہنسنے والی بات پر ہنستے نہیں... رونے والی بات پر آنکھ پتھر کر لیتے ہیں۔
پتھر میں پھر کونپل کیسے پھوٹے؟

وہ نوال سے بد گمان رہتا تھا۔

وہ اسے نظر انداز کرنے کی شعوری کوشش کرتا تھا۔ جبکہ نہیں جانتا تھا۔

نوال جیسے نکھرے ستھرے دل کی لڑکی سے بد گمانی پالی جا ہی نہیں سکتی اور نظر انداز... نوال ضمیر خان بھلا نظر انداز کرنے والی چیز تھی۔

وہ تو خوشبو تھی، ہوا، بادل، بارش جیسی... لیکن یہ جو اخفش انعام تھا۔ اور اس کی مردانہ انا... یہ اسے وہاں لا کر مارنے والی تھی جہاں پانی نہیں ملتا۔

اور آج جو ہوا... اخفش نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اشتیاق احمد اور نورین کا سہارا لے کر آتی نوال کو بغور دیکھا۔ نورین نے گھنگھریالے سنہری جنگل کو آدھا ادھورا سا کلپ میں جکڑ دیا تھا۔ ہر قدم پر اس کے پر بہار چہرے پر زردی چھاتی تھی۔ مگر سنہری آنکھوں کے اندر ہمت جوان رہتی تھی۔ نوال ضمیر خان مضبوط تھی اور یہ بات با آسانی باور کروا دیتی تھی۔

بے خود خان ایک بڑے پیالے میں کٹے سیب، انگور اور آڑو لیے پیچھے تھا۔ اتنا چل کر آنے سے تازہ باندھا گیا رومال بھی سرخ ہونے لگا تھا۔ کچھ سرخی گاڑی کے اندر بھی نشان چھوڑنے لگی۔ نوال نے خود ہی جھک کر رومال کو دوبارہ کسا اور پھر بے خود سے ایک شاپر منگوا کر پیر پر باندھ لیا کہ اگر خون بہے تو گاڑی گندی نہ ہو۔ اس کام سے فراغت کے بعد اس نے فروٹ والا باؤل گود میں رکھا اور کانٹے سے کھانے لگی۔

نورین نوال کے ساتھ بیٹھی جبکہ اشتیاق احمد ڈرائیور کے ہمراہ۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ تو ذرا گم صم سا اخفش چونک کر پیچھے ہوا... گاڑی گیٹ سے نکل کر سڑک پر رواں بھی ہو گئی۔ اخفش وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ نگاہیں زمین پر گڑی تھیں۔ جہاں خون کے کچھ تازہ قطرے تھے اور بے خود خان چہرے پر شدید غم زدہ تاثرات لیے کپڑے سے انہیں پونچھنا شروع ہو گیا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ وہ نوال کے نام کی پکار پر چونکا نہیں تھا۔ چونکا تھا بہت بری طرح سے "یقیناً" کوئی نیا تماشا یا کریٹی ویٹی ہو گی۔ کوئی نیا ایڈونچر... اور بقول اخفش نری بے عزتی "نتیجہ بدنامی" لہٰذا اس نے کان لپیٹے رہنے کو ہی ترجیح دی۔

ویسے ہی جیسے... اس روز...

اس روز تاں... جس روز نوال نے مزدا کی ریس میں حصہ لیا تھا اور جیت کر گھر آئی تھی۔

اخفش تو اس روز بس سے اتر جانے کے مواقع ڈھونڈتا رہ گیا تھا۔ مگر بس ریس جیت لینے سے پہلے رکنے کے حق میں نہیں تھی۔

اور اس دن کو یاد کر کے آج بھی اخفش نے جھرجھری لی تھی، وہ سارا تناؤ۔ شرمندگی، بے بسی یاد آئی تو نوال کے زخم پر آنے والی تازہ تازہ ہمدردی اڑن چھو ہو گئی۔ یاد رہا تو بس وہ دن اور وہ شرمندگی اور...

اپنے منفی خیالات میں گم اخفش نے جب اپنے گھر میں قدم رکھا تو صوفیہ بیگم، لیلیٰ بیگم اور نواسی نازک... نازک اندام اسی کی منتظر تھیں۔

"کیا ہوا۔ زیادہ لگ گئی نوال کو... ڈاکٹر کے ہاں لے کر گئے ہیں۔ خون نہیں رکا تھا۔" صوفیہ بیگم کا لہجہ بے تاب اور فکر مند تھا۔

لیلیٰ بیگم نے پوچھا تھا۔

"ویسے لگا کیا تھا؟"

"کولڈ ڈرنک کی ٹوٹی بوتل..." اخفش نے تفصیلاً"

بتایا۔

"مائی گاڈ!" نازک نے پہلی بار جھرجھری لیتے ہوئے لب کشائی کی۔ "مجھے تو سوچ کر خوف آرہا ہے۔ میں تو دیکھ بھی نہیں سکتی اس طرح کے زخم وغیرہ۔"

"اوہو۔۔۔ نازک!" لیلیٰ آنٹی نے نواسی کو ٹوکا۔ "تم اس بارے میں سوچو بھی مت، یونہی دل خراب ہو گا۔ پھر ساری رات اسے نیند نہیں آتی۔" اگلا جملہ صوفیہ بیگم اور اخفش کے لیے تھا۔

"میں نے تو اسے کبھی ہارر موویز ایکشن مووی بھی دیکھنے نہیں دی۔ بچپن میں ٹام اینڈ جیری دیکھتے ہوئے بھی یہ گھبرا کر رونے لگ جاتی تھی۔"

لیلیٰ بیگم نواسی کو سمجھانے والی گائیڈ بک تھیں جیسے۔ سامنے والے کی حال تو حال ماضی تک سے آگاہی ضروری ہے۔

"اب تو خیر ماشاء اللہ بڑی ہو گئی ہے نازک!" صوفیہ بیگم نے پیار سے نازک کو دیکھا۔

"ہاں مگر دل تو اب بھی چھوٹا سا ہی ہے ناں۔" لیلیٰ بیگم اپنے بیان سے پیچھے ہٹنے والی نہیں تھیں۔ "میں نے تو اسی لیے کہہ دیا انٹر بہت تعلیم ہے۔ انگلش تو پہلے ہی اس کی بہت اچھی ہے۔ ڈگریاں لے کر ہم نے اچار نہیں ڈلوانا۔۔۔ نہ نوکریاں کرنی ہیں بس سیدھے سیدھے اچھا لڑکا دیکھ کر بیاہ دوں گی اپنی گڑیا کو۔"

اب یہ ارادتاً تھا یا یونہی۔۔۔ اچھے لڑکے کے نام پر ان کی نظریں اخفش پر آن رکیں۔ صوفیہ بیگم تو بغور سنتے ہوئے سرہلا رہی تھیں۔ جبکہ نازک کی نگاہیں بھی اچھے لڑکے پر جا کر ٹک سی گئیں تو کیا۔۔۔ یعنی کہ وہ حیران ہوئی پھر یقین بھی کرلیا' اس کی نانو جان کبھی غلط تھوڑی کہتی رہتی ہیں' لہٰذا اچھا بہت اچھا۔

"تم کھانا نہیں کھاؤ گے اخفش۔۔۔ سب تیار ہے۔ پروین ہے کچن میں۔" صوفیہ بیگم کو پوتے کا اترا چہرہ بھوک کا باعث لگا تھا۔

"نہیں! بھوک اڑ سی گئی ہے۔" وہ پژمردہ ہو رہا تھا۔

"پتا نہیں اب کتنے دنوں کا ریسٹ کرنا پڑے گا نوال کو۔" نازک نے اخفش کو دیکھا۔

"یہ تو اب ٹریٹمنٹ پر ڈپینڈ کرتا ہے۔ صرف پٹی کی جائے گی یا ٹانکے لگیں گے۔"

"اللہ ٹانکے؟" نازک نے دہل کر نانو جان کو دیکھا۔

"ارے۔۔۔ ارے تم کیوں ٹینشن لیتی ہو۔" لیلیٰ بیگم الرٹ ہوئیں اور تم اخفش بیٹا! نازک کے سامنے ایسے باتیں مت کرو۔ یہ گھبرا جاتی ہے۔"

اخفش نے نازک کے چہرے کو دیکھا جہاں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ اور اپنی نانو کے بیان کے مطابق وہ شاید رو دینے کو تھی۔

"ہاہ۔۔۔ ایک یہ ہے۔ ذرا سی تکلیف کے احساس ہی سے کانپ رہی ہے' اور دوسری وہ مردمار نوال ضمیر خان۔۔۔ سب کو ہولا کر خود ڈونگا بھر کے فروٹ ٹھونسنے لگی۔ اب گھر آئیں گی تب محترمہ کی تیمارداری اور دلداری۔ ہونہہ۔۔۔" اخفش کو اچانک غصہ سا آگیا۔

"پروین' پروین کھانا نکالو۔۔۔ مجھے بھوک لگی ہے۔" وہ کھڑا ہو کر پکارنے لگا۔

"خوامخواہ میں' میرا کوئی لینا نہ دینا اور گلٹ سب مجھے دینا چاہ رہے ہیں کہ میں نے مڑ کر کیوں نہ دیکھا۔ اس روز بھی تو دیکھا تھا ناں' کیسا تماشا لگا کر بیٹھی تھی۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ آج سچ مچ کچھ ہے۔ ہونہہ۔"

اخفش نے دوبارہ بدگمانی کے پل پر پیر رکھے اور پھر آگے بڑھتا ہی چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

نوال نے ڈرائیونگ تو شناختی کارڈ بننے سے بھی پہلے سیکھ لی تھی۔ اور پکا ارادہ تھا کہ اپنے لیے ایک گاڑی تو لازمی خریدنی ہی ہے۔ مگر عین وقت پر ڈیڈ نے اپنے وعدے کو ڈنکے کی چوٹ پر فراموش کرتے ہوئے گاڑی نہ دلانے کا اعلان کر دیا۔ نوال نے وعدہ خلافی کرنے والے کے سو عیب بیان کیے۔ مگر ڈیڈ بھی آخر اس کے باپ تھے ٹس سے مس نہ ہوئے۔

"کراچی میں ٹریفک جتنا بے ہنگم ہے۔ تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہیں ایسے شوق پالنے دوں گا نوال۔۔۔"

"تو پھر میں کیسے جاؤں گی یونی؟" نوال نے گھونگھریالے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ لیا۔

"میں تمہیں وین لگوا دوں گا۔" ڈیڈ سب سوچے بیٹھے تھے۔

"وین۔۔۔؟" نوال کی آنکھیں پھیلیں اور پھر آگے ایک لمبی بحث تھی۔ ڈیڈ گاڑی پر نہ مانے اور نوال وین پر۔

"میں بس میں جاؤں گی۔ کھڑے ہو کر۔۔۔ انجن پر بیٹھ کر۔۔۔ بس کا ڈنڈا پکڑ کے دروازے پر لٹک جاؤں گی۔ چھت پر بیٹھ جاؤں گی۔ ڈیڈ میں بھی اب یونی ورسٹی کے ہزاروں اسٹوڈنٹ کی طرح آؤں گی اور جاؤں گی بس۔"

ضمیر خان کو مانتے ہی بنی۔ اب یہ نوال کے لیے نیا تجربہ تھا۔ وہ پیلی پیلی گوٹے لشکیے والی جھومتی جھامتی مزدا میں فراٹے سے چڑھنے میں ماہر ہو گئی چند دنوں میں۔۔۔

مایوں کی دلہن کی طرح سجی بنی بیں۔۔۔ اور اندر چلتے ڈیک۔۔۔

"آخر آپ لوگ بسوں کو اتنا سجاتے کیوں ہیں؟" ایک دن جناب ڈرائیور صاحب کا انٹرویو بھی کر لیا اور انٹرویو چونکہ طویل تھا لہٰذا بس مطلوبہ اسٹاپ سے آگے چلی گئی۔ محترمہ کو پتا تک نہ چلا۔ اللہ جانے کہاں اتر کر دوبارہ بس پکڑ کر شام گئے تھکی ماندی گھر لوٹی۔

اسی طرح شروع میں مزدا کی آپس میں ریس بھی سمجھ نہ آئی۔ اچانک یہ دو مزدا ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تگ و دو میں کیسے اوور ٹیک کرنے لگ جاتیں، سگنل توڑتیں، روٹ بدل کر شاٹ کٹ استعمال کر کے آگے ہونے کی کوشش۔۔۔ ایسے میں سواریاں بٹھانا بند کر دیتیں۔ خیر ہے۔۔۔ اتارنا بھی بھول جاتیں۔ مسافر بھی دبک کر رہ جاتے اور باقی ماندہ بنا کسی کے کہے سنے اپنے اندر اسپورٹس مین اسپرٹ کو بیدار ہوتا دیکھتے بھول جاتے کہاں جا رہے ہیں، کیوں جا رہے ہیں، بس وہ مزدا جیت جائے جس میں وہ بیٹھے ہیں اور ایسی کسی مزدا میں اگر نوال سوار ہو تو۔۔۔

یہ بھی ایک ایسا دن تھا۔ یونیورسٹی اسٹاپ سے مزدا میں چڑھنے والی ننانوے فیصد سواریاں طالب علموں پر ہی مشتمل ہوتی تھیں۔ بس گویا اپنی لگتی یا پھر اپنے باپ کی۔۔۔ نوال کو آج جگہ نہیں ملی تھی وہ دروازے کے آخری پائیدان پر ایک ٹانگ پر کھڑی تھی۔ سید ضمیر جعفری کی کراچی کی بس میں سفر ہو رہا ہے۔ کا مطلب بھی یہیں آکر سمجھ آیا تھا۔ مزدا ڈرائیور جیسے بجھے دل سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ روتے بسورتے گانے بج رہے تھے۔

"دیوانوں سے یہ مت پوچھو۔۔۔ دیوانوں پہ کیا گزری ہے۔"

سارا دن کلاسیں بھگت کر نڈھال اسٹوڈنٹ بالکل ہی ڈاؤن ہو گئے۔ دیوانے سے کیا کم ہوں گے؟

اوروں کو پلاتے رہتے ہیں اور خود پیاسے رہ جاتے ہیں
یہ پینے والے کیا جانیں۔۔۔ پیمانوں پہ کیا گزری ہے
گزری ہے۔۔۔ دیوانوں سے۔۔۔

نوال کے اپنے حلق میں پیاس سے کانٹے چبھنے لگے۔ وہ ایک ٹانگ اور ایک ہاتھ ہوا میں لہرا کر ڈری سہمی کھڑی تھی (لٹکی تھی)

"آخر یہ بس اتنی آہستہ کیوں چل رہی ہے۔" ایک لڑکی نے بیزاری سے کہا تھا۔ ابھی الفاظ منہ میں ہی تھے۔ بس نے ایک جھٹکا کھایا۔ ہر مسافر کی چیخ نکلی، سب ایک دوسرے سے گویا لپٹ گئے۔ اور بہت سوں کے سر آپس میں ٹکرائے یا پھر کسی نہ کسی چیز سے۔۔۔

ڈرائیور نے اپنی جانب کے دروازے سے منہ باہر نکالا اور پشتو میں دوسری بس کے ڈرائیور اور کنڈیکٹر سے ناقابل اشاعت الفاظ میں کچھ کہا اور اس کے بعد بس ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ یونی ورسٹی کی مصروف شاہراہ پر زگ زیگ ہونے لگی اور مسافر گتھم گتھا ہونے کے باوجود دائیں بائیں یوں ڈولتے تھے۔ جیسے خالی ڈش میں اکیلا انڈہ۔۔۔

سوئے اعصاب جاگ گئے۔ اونگھتے اسٹوڈنٹ بھی خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور نوال جیسوں کے تو

چودہ طبق روشن ہو گئے۔

ریس... ؟واؤ...

"تو جس کو اترنا ہے اور ابھی اترے۔ اب گاڑی آگے نہیں رکے گی۔"

سگنل پر گاڑی مجبوراً رکی تو ڈرائیور نے فرمان جاری کیا۔ اگلے منٹ میں بس سے آدھے اسٹوڈنٹ اتر چکے تھے۔

نوال کو دروازے کے ساتھ والی سیٹ پر جگہ ملی پر اب کون کافر بیٹھتا' سگنل کھلا تو دونوں بسیں آگے پیچھے نکلیں اور عجیب بات تھی نوال والی بس آگے نہیں ہو پارہی تھی۔ ڈرائیور اور کنڈیکٹر شور مچا رہے تھے۔ ڈرائیور تھوڑی دیر بعد منہ باہر نکال کچھ سنہری الفاظ اگلی بس کی شان میں کہتا۔ زبان یقیناً پشتو تھی۔ مگر گالیاں زبان بیان سے ماورا ہوتی ہیں۔ نوال کو پشتو کی سدھ بدھ نہ تھی۔ وہ ہر گالی پر سر دھنتی۔

دغا دغا... ڈھنا ڈھن ڈھن...

"دیوانوں سے یہ مت پوچھو دیوانوں پہ کیا گزری ہے۔" مکمش کرلاتا۔

"ارے استاد گیئر بدلو گیئر۔ آخری گیئر میں ڈال دو۔" نوال چلائی۔

"دائیں سے دائیں۔" وہ جوش میں کھڑی ہو گئی۔ وہی ایک ٹانگ اور ایک ہاتھ ہوا میں لہراتا... ایک جانب ڈرائیور کی جدوجہد... پچھلے دروازے پر کنڈیکٹر کا فلاں بجیا... ڈھمکال بجیا... دغا دغا... استا' استا ادھر نوال کی ہدایات۔

نوال کی دیکھا دیکھی... بچی کھچی لڑکیوں کے چہرے بھی جوش سے تمتمانے لگے تھے' جبکہ لڑکوں نے کھڑکیوں سے منہ نکال کر دوسری بس کے مسافروں پر جملے کسنے شروع کر دیے۔ (وہاں بھی تو سب اسٹوڈنٹ تھے نا... اور ان ہی اسٹوڈنٹس میں ایک تھا۔ انخفش انعام۔

جس نے پھٹی آنکھوں سے بلکہ شدید ترین بے یقینی سے ڈنڈے سے جھولتی نوال کو دیکھا تھا اور بے یقینی سے پلکیں جھپکی تھیں۔ پھر آنکھوں کو ملا تھا۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے وہ نوال تھی سچ مچ کی نوال جو... کنڈیکٹر کی دیکھا دیکھی۔ سوچے سمجھے بناء فقط تلفظ کو پکڑ کر دغا دغا اور استا... استا کر رہی تھی۔

دوسری طرف بے یقینی سے نکلنے کے بعد انخفش نے سوچا۔ بس رکے تو وہ فوراً" کہیں بھی اتر جائے۔ مگر دوسرے ڈرائیور نے بھی پہلے ہی کہہ دیا تھا' بس اب رکے گی نہیں... تو کیا انخفش کھڑکی سے نکل لے... مگر کیا انخفش انعام کھڑکی سے نکل سکتا تھا؟ پہلی بار اپنے موٹاپے کا احساس ہوا' دل مسوس کر رہ گیا۔

اس نے منہ پھیر لیا... مگر اس سے کیا۔ دونوں بسیں برابر چل رہی تھیں۔ اور نوال کے نعرے کانوں میں سیسہ پگھلا رہے تھے۔ اور نوال ہی پر کیا الزام دونوں بسوں کے مسافر (اسٹوڈنٹس) اب ایک دوسرے کو منہ در منہ اپنی جیت اور ان کی ہار کا یقین دلا رہے تھے۔

کون سا گھر کہاں کا گھر... کسی کو واپسی یاد ہی نہ رہی۔ مہنوز کی دھجیاں بکھر گئی تھیں۔ نوال تو خیر نوال تھی۔ دوسری بس کی لڑکیوں نے بھی ہونٹوں کے گرد ہاتھوں کی اوک بنا کر اووو کی آوازیں نکالنی شروع کر دی تھیں۔

ہاں بس وہ ایک انخفش تھا۔ جسے منہ چھپانے کو جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اسے صرف نوال دکھائی دے رہی تھی اور سنائی دے رہی تھی۔

نوال نے کھیل کا لائحہ عمل تبدیل کر دیا تھا۔ اس نے ڈرائیور کو گانا بدلنے کو کہا تھا۔ ڈرائیور ناکام عاشق تھا اس نے ایک ہی گانا بھر رکھا تھا۔

نوال نے اندر منہ کر کے اعلان کیا۔ "یہ گانا لگا رہا تو ہم جیتا گیم ہار جائیں گے۔ ہے کوئی ایسا بندہ جو ایک جوشیلا گانا مستعار دے۔"

نوال کی دردمندانہ اپیل پر آدھے اسٹوڈنٹس نے رضاکارانہ طور پر خود کو پیش کیا اور اپنے موبائل سے کارڈ نکال کر پیش کر دیے' گانا نوال ہی نے سلیکٹ کیا۔

اور ادھا تیرا جلوہ...

اب صورت حال کچھ ایسی بن گئی تھی کہ اور ادھا تیرا جلوہ کے ساتھ کنڈیکٹر کی دعا دعا اور اسنا استا چل رہی تھی۔ ڈرائیور پر گلنے کی تبدیلی نے مثبت اثر ڈالا تھا اس نے اک نئی ترنگ سے گیئر بدلا تھا وہیں مخالف بس کے ڈرائیور نے جیسے اب ہی۔۔۔ اچانک نوال کو دیکھا تھا۔

"ہائیں! یہ کیا چیز ہے بھئی۔۔۔" دراصل جوش و خروش میں پونی کھل گئی تھی اور گھونگھریالے بالوں کا چھتا۔۔۔ ہوا سے اڑ کر نوال کو پہلی نظر میں ناقابل فہم بنا تا تھا۔ غور کرنے پر پتا چلتا تھا یہ تو ایک لڑکی ہے۔

ڈرائیور نے ڈائیوو بس سروس میں لڑکی کنڈیکٹر کا سن رکھا تھا مگر یہ اس کے بھائی بند نے کب رکھ لی لڑکی کنڈیکٹر۔

ادھر نوال نے کنڈیکٹر کی دیکھا دیکھی دو تین بار کی ناکام کوشش کے بعد شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کو ہونٹوں کے بیچ رکھ کے سیٹی بھی بجاڈالی اس عمل سے جہاں مخالف ڈرائیور کے پیر بے ساختہ بریک پر پڑے تھے وہیں اخفش کی آنکھوں کے آگے ہفت آسمان گھوم گئے۔

زمین پھٹ جانا اور سما جانا' چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا۔ اسے محاورے سمجھ آنے لگے۔ (نوال منہ چڑا رہی تھی)

مخالف ڈرائیور اور اخفش دونوں سکتے میں آگئے تھے۔ اور سکتے کی اسی کیفیت میں نوال اور نوال کی بس کب ان کے سامنے سے گزری اور گزرتے گزرتے اتنی دور چلی گئی کہ گرد بھی بیٹھ گئی۔ پتا ہی نہ چلا۔ نوال نے نشست سنبھالی اور بڑی سرشاری کے عالم میں بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے سب کو فاتحانہ نگاہوں سے دیکھا۔ ہر جانب سے نوال کی واہ واہ ہو رہی تھی اور وہ ذرا سی گردن خم کیے اپنا حق سمجھ کر وصول کر رہی تھی۔

جبکہ دوسری جانب۔۔۔ دوسری بس کے مسافروں میں جہاں بددلی پھیلی تھی۔ وہیں ڈرائیور' کنڈیکٹر سے پوچھ رہا تھا۔

"خان نے کنڈیکٹر لڑکی رکھی؟"

کنڈیکٹر نے شانے اچکائے اس کی سمجھ ہی نہ آیا تھا یہ ہوا کیا تھا۔

لڑکی تھی یا چڑیل۔۔۔؟

کنڈیکٹر کو سارا قصور نوال ہی کا لگا تھا۔ ہاتھ جو مل رہا تھا۔

"ارے یہ تو نوال ضمیر خان تھی۔ سیکنڈ ایئر کی۔۔۔" کسی نے پہچان کر آواز لگائی تب ایک طرف ڈرائیور و کنڈیکٹر نے سکھ کا سانس لیا کہ لڑکی ہی تھی۔ چھلاوا نہیں' وہیں اخفش انعام نے کان لپیٹ لیے۔ بھلے سے وہ نوال سے ایک فاصلہ اور اجنبیت رکھتا تھا مگر کئی لوگ جانتے تھے کہ وہ آپس میں رشتے دار ہیں اور پڑوسی بھی ہیں اور۔۔۔۔

اخفش نے فائل منہ پر رکھ لی' مبادا کوئی اور پہچان لے اسے اخفش! نام سے بھی جوڑ دے۔

✲ ✲ ✲

جس قصے کو نوال ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو کر سنا رہی تھی۔ خصوصاً "وہ گالیاں جو اس نے خفش تلفظ کو پکڑ کر دہرائی تھیں۔ جب بے خود خان نے سنیں تب اس کا رنگ لال ہو گیا اور بیچ کانوں سے دھواں نکلنے لگا گو پر سے نوال کا پرزور اصرار۔

"مطلب بتاؤ ناں بے خود خان۔۔۔ اس کا کیا مطلب ہے۔۔۔ اور اس کا کیا مطلب؟"

پر بے خود کی ناں ہاں میں نہیں بدلی۔

بس اتنا کہے گیا۔ "آپ کو اللہ کا واسطہ۔ کسی اور کے سامنے مت کہنا۔۔۔ اور مطلب تو بالکل مت پوچھنا۔"

"اچھا۔۔۔" نوال کو مزہ آیا "کیا بہت کراری گالیاں ہیں؟"

بے خود خان کھڑا ہو گیا۔ بات گھوم پھر کر گالیوں کے معنی و تشریح پر ہی آکر رکی تھی۔

"اب کہاں جاتے ہو؟" نوال نے مجسم لہجے میں پوچھا۔

"جا رہا ہوں۔" بے خود خان کا لہجہ خفگی آمیز تھا۔
"ادھر رہا تو آپ میرے سے مطلب پوچھ ہی لیں گی۔"
نوال نے ہنستے ہوئے بے خود خان کا مجبور انداز دیکھا۔
"ہاں ان سے کیا بعید..." نوال کی ہنسی تھمی، یہ دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا اخفش تھا جس کے تیور اچھے نہیں تھے۔
"تم نے دیکھا اخفش... نوال نے آج کیا کیا۔" اشتیاق احمد کا لہجہ فخر سے بھرپور تھا۔
"جی ہاں!" اس نے دانت پیسے۔ "میں نے ہی تو دیکھا بلکہ سب سے زیادہ دیکھا۔"
"اوہ رئیلی!" نوال الرٹ ہوئی۔ "تم کہاں تھے؟"
"کہاں ہوتا تھا بس میں ہی تھا۔" اخفش کے دانت کچکچانے کی آواز سب کو سنائی دی۔
"میں نے تو نہیں دیکھا کہاں بیٹھے تھے تم؟" نوال نئے جوش سے سوال و جواب کے لیے تیار تھی۔
"تمہاری سامنے والی مزدا میں..."
"واٹ... یعنی تم... او مائی گاڈ... یعنی میں نے تمہیں ہرا دیا... ان بلیو ایبل اخفش انعام! تم پھر ہار گئے۔" وہ سرشاری ہو کر صوفے پر اوندھی ہو گئی۔
کب سے خاموش نوین کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔ اخفش کا سرد انداز شدید ترین ناراضی میں بدل رہا تھا۔ اوپر سے نوال کا لوٹ پوٹ ہونا۔
"کمال ہے میں نے تو تم کو دیکھا ہی نہیں۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے کیوں بیٹھے رہے۔ اپنی ٹیم کو بک اپ کیوں نہیں کیا؟"
نوال بے حد معصومیت بھرے اچنبھے سے پوچھ رہی تھی۔ پھر جو وہ شروع ہوا۔
روایات، اقدار، طور طریقہ لڑکیوں کے سلجھے انداز... وہ باوقار اور نپی تلی ہی اچھی لگتی ہیں۔ یہ ٹام بوائے اسٹائل... اس کی تو ایسی کی تیسی۔ لوگ کیا کہیں گے اور کیا سوچیں گے۔ یہ ہوتا ہے شریف لڑکیوں کا طریقہ؟
"اس نے کنڈیکٹروں والی سیٹیاں بھی بجائیں۔"
اخفش کا شکایت نامہ ابھی باقی تھا۔
"ارے ہاں!" نوال نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ "یہ دیکھیں۔" اس کا رخ اشتیاق احمد کی طرف تھا۔ ساتھ ہی اس نے انگوٹھا اور شہادت کی انگلی ہونٹوں کے بیچ رکھ کے سائرن نما آواز نکال کر دکھائی، جہاں اخفش کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہیں اشتیاق احمد مزید فین ہو گئے۔ نوین نے آگے بڑھ کر نوال کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ نوال خود کو چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگی۔ اخفش ایک بار پھر شروع ہو گیا۔
اس کا سارا خطاب سن اٹھارہ سو کے کسی اقدار و روایات کے پابند بابا جی کا سا تھا۔ اور بلند ہوتی آواز غصے کے بڑھنے کی غماز تھی۔ اس کا بس نہ چلتا تھا۔ وہ نوال کو پیٹنا ہی شروع کر دیتا۔
"جا رہی ہوں اپنے گھر... آپ کچھ کھلائیں پلائیں اپنے جیتنے کو... اور سچ بات کہوں ناں۔" وہ جاتے جاتے رکی "تم کو اصل غصہ یہ ہے کہ وہ بس کیوں جیتی جس میں، میں تھی۔ جیتے ہوتے ناں تم، پھر میں دیکھتی بیان بالکل الگ ہوتے۔"
وہ اخفش کی فطرت سے واقف تھی۔
"اور ہاں!" وہ گیٹ سے نکلتے نکلتے پھر کچھ یاد آنے پر رکی۔ "اب شکر کرو کہ میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔" نوال کا انداز دھمکی آمیز ہو گیا۔
"اگر جو میں تمہیں دیکھ لیتی۔ قسم خدا کی باقاعدہ نام لے کر کہتی۔
گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دو، اخفش انعام مردہ باد! جیتے گی بھئی جیتے گی نوال خان جیتے گی۔"
وہ سیاسی کارکن کے سے انداز میں مکا لہراتی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اخفش صوفے پر ڈھے گیا اور واقعتاً "شکر" ادا کیا۔
واقعی اگر نوال نے دیکھ لیا ہوتا تو...

☼ ☼ ☼

پے در پے واقعات اور ان سے ملنے والی ہزیمت کے بعد اخفش... نوال سے بچ کر چلتا تھا۔

مگر ایک ہی گھر (نوین اور اخطب کی شادی کے بعد لان کی درمیان والی دیوار میں سے راستہ بنا دیا گیا تھا کہ زینب بیگم اور نوال دو ملازمین بے خود خان اور بے زار لالہ کے ساتھ اکیلے رہتی تھیں) میں رہتے ہوئے حد فاصلہ برقرار نہیں رہ پاتی تھی۔ ٹکراؤ ہو ہی جاتا تھا اور یہ ٹکراؤ کبھی لفظی ہوتا اور کبھی عملی۔۔۔

اور اس وقت بھی یہ عملی ٹکراؤ نوال کو دن میں تارے دکھا گیا۔ وہ پاپ کارن کھاتی اس درمیانی دروازے سے گزرتی گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ آسمان بادلوں سے بھرا تھا۔ مگر برسنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

اگر یہ ایبٹ آباد ہوتا؟ تو اب تک جل تھل ہو چکا ہوتا۔

وہاں وہ دھوپ کے نکلنے کی دعا کرتی تھی اور یہاں آہ... اللہ' آہ اوئی حسرت سے اللہ کو پکارتی وہ آخر میں تکلیف سے دہری ہو گئی۔ کیا دیوار سے ٹکرائی تھی یا پہاڑ سے۔۔۔ پاپ کارن ہوا میں اچھلے تھے اور موتیا کے پھولوں کی طرح دونوں پر برس کر پیروں میں جا گرے نوال نے نیچے دیکھا اور پھر سامنے۔۔۔

"اچھا!" اس نے نتھنے پھلائے "تو پہاڑ سے ٹکرائی تھی۔ مطلب اخفش انعام۔"

"کیا ہے دیکھ کر نہیں چل سکتی تھیں۔" وہ غرایا۔

"دیکھ ہی تو رہی تھی۔" نوال پر کب غراہٹیں اثر کرتی تھیں۔

"سامنے دیکھ کر چلتے ہیں بے وقوف۔۔۔"

"آپ سے کس نے کہا نانو جان۔۔۔؟" نازک حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"جس نے بھی کہا وہ تم چھوڑو۔۔۔ صرف یہ بتاؤ' تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں؟" لیلیٰ بیگم جانتی تھیں۔ تو اسی ان کے کہے پر آمنا صدقنا ہے مگر رسماً پوچھا۔

"جب آپ کو اعتراض نہیں تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" نازک نے ذرا سا کسمسا کر نزاکت سے کمر کے پیچھے کشن درست کر کے نشست کو مزید آرام دہ کیا۔

"سیدھی بات تو یہ ہے کہ مجھے یہ گھرانہ تمہارے لیے بہت پسند آیا ہے۔ اخفش کو تو تم اکلوتا ہی سمجھو۔" لیلیٰ بیگم نے لاپروائی سے کہا۔

"کیوں؟" نازک حیران ہوئی "وہ جوان کے پاپا کی فیملی ہے امریکہ میں۔۔۔ بہن بھائی بھی ہیں۔ صوفیہ نانو بتا رہی تھیں۔"

"ہاں ہاں۔۔۔! وہ اخفش کے بابا کی فیملی ہے۔ بیٹا' سات سمندر پار کو دور کے سلام۔۔۔"

"تو یہاں بھی تو ان کے چاچو اخطب کی فیملی ہے۔ پھر دادا دادی بھی جو ہیں۔" نازک نے یاد دلایا۔

"دادا' دادی کون سا تمہارے سر پڑیں گے اور چاچو اور چاچو کی فیملی کو بھول جاؤ میں نے سب سوچ رکھا ہے تمہارا اپنا گھر ہو گا۔ ورنہ اپنے ساتھ رکھوں گی۔ یوں بھی صوفیہ کو میری تنہائی کا بڑا احساس ہے اور انہیں سنبھالنے کے لیے ان کا اپنا بیٹا بہو ہے ناں۔۔۔"

"اچھا۔۔۔!" نازک کی دھیرے دھیرے سمجھ میں آنے لگا۔ "لیکن وہ جو پروپوزل ڈیڈ بتا رہے تھے اور۔۔۔ وہ پھوپھو والی فیملی۔" نازک کو اپنے سب پروپوزل یاد تھے۔

"ہونہہ۔۔۔ ڈیڈ اور ڈیڈ کے پروپوزلز۔۔۔ وہ صرف اب اپنے لیے تیسری ڈھونڈ لے۔" لیلیٰ بیگم نے شدید ناگواری سے ڈپٹا اور وہ تمہاری پھوپھو والی فیملی۔۔۔ ان کا خاندان نہیں ہے' وہ قبیلہ ہے قبیلہ۔۔۔ بھلے سے نوکروں کی فوج ہے۔ مگر پانی بھی سرو کرنے لگ گئیں ناں تو درجنوں گلاس ہوں گے۔" لیلیٰ بیگم کو محض تصور دہلا رہا تھا ان کی لاڈلی نازک مودب بنی پانی پلا رہی ہے۔

"پھوپھو بہت پیار کرتی ہیں مجھ سے۔۔۔" نازک کے منہ سے نکلا۔

"خالی پیار کا نام ہی ہے ادھر۔۔۔" لیلیٰ بیگم کی تیوریاں چڑھ گئیں "تم بہت معصوم ہو میری بچی! تمہیں زمانے کی کچھ خبر نہیں پھوپھو صاحبہ کو خبر ہے' باپ کی اکلوتی ہو اور بے چاری چھوٹی موٹی کی بھی ساری جائداد تمہاری ہے اور میرا سب کچھ تو ہے ہی

تمہارا، وہ پیار کیوں نہ جتائیں گی آپ کتنی بار سمجھاؤں تمہیں میں۔" لیلیٰ بیگم کو نازک کی معصومیت پر غصہ سا آنے لگا۔

"آپ خفا تو نہ ہوں نانو جان!" نازک نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"خفا نہیں ہوں مگر تم سمجھ کیوں نہیں لیتیں بچہ... اس بھری دنیا میں میں ہی تمہاری واحد خیر خواہ ہوں بے چاری چھوٹی موئی تو..." لیلیٰ بیگم کی آواز بھرا گئی۔

"او نانو جان!" نازک لیلیٰ بیگم سے لپٹ گئی۔

"اب آپ روئیے گا مت... ورنہ میں بھی رو دوں گی۔" نازک کو اس دھمکی کے اثر انگیز ہونے کا پتا تھا۔ لیلیٰ بیگم نے آنسو پونچھنے شروع کر دیے۔

"میں نے دیکھا ہے اس لڑکے اخفش کو... وہ بہت کیئرنگ ہے۔ بہت ادب سے بات کرتا ہے اور تم سے تو خاص طور پر بہت ریسپیکٹ سے بات کرتا ہے۔ مجھے تمہارے لیے ایسا ہی لڑکا چاہیے، جو تمہیں پھولوں کی طرح رکھے۔ جیسے کانچ کی گڑیا کو سنبھالتے ہیں۔ تمہیں سنبھال لے، اتنی نازک سی تو ہو تم۔"

لیلیٰ بیگم نے پیار سے نازک کے گال کو چٹکی میں پکڑنا چاہا۔

(مگر ننھی سی چٹکی میں اتنا گوشت بھلا کہاں سماتا۔ انگلی اور انگوٹھا آپس ہی میں ٹکرا کر رہ گئے۔)

"وہ تمہیں کسی گڑیا ہی کی طرح ٹریٹ کرتا ہے۔ اس دن دیکھا نہیں شاپنگ بیگ بھی تمہارے ہاتھ سے لے لیا تھا کہ وزن ہے اس میں اور جس دن نوین کچن کیبنٹس میں بڑے برتن پتیلے وغیرہ رکھوا رہی تھی تو کیسے اس نے نوین کو سخت کام کرنے سے منع کر کے خود سب پتیلے وغیرہ رکھ دیے تھے۔

نوین کے دونوں بچوں کو دونوں بازوؤں پر ڈال کر کتنی مہارت سے بہلا لیتا ہے۔ جو چچا کے بچوں کے لیے اتنا کیئرنگ ہو، وہ اپنے بچے کیسے نہ پالے گا۔

خود ہی ڈسٹنگ کر دیتا ہے۔ گھر کی ساری سیٹنگ بھی آئے دن خود ہی چینج کرتا رہتا ہے۔ گارڈننگ بھی کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر عورتوں کے حوالے سے بڑا پروٹیکٹیو ہے۔ بڑے محدود مگر پختہ خیالات ہیں کچھ اپنی پدر کے بعد تو..."

لیلیٰ بیگم نے گویا اخفش انعام پر تھیسس لکھنا تھا۔ ہر پہلو پر گہری نظر تھی۔

نازک بغور سن رہی تھی۔ واقعی نانو جان سچ کہہ رہی تھیں۔ اخفش انعام ایسا ہی تھا بہت کیئرنگ اور لوونگ بھی۔

وہ جو لیلیٰ بیگم کی بات سنتے ہوئے شروع میں ہچکچاہٹ تھی۔ وہ دور ہو گئی۔ جیسے منظر روشن نظر آنے لگا۔ تب تو ہونٹوں پر مسکراہٹ سی دوڑ گئی۔ واقعی اخفش انعام نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔

تو پھر...

✡ ✡ ✡

"میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اور مجھے دوسروں سے سننے کو... مل رہا ہے۔"

"آپ کے ساتھ پرابلم کیا ہے دادی... ابھی لائف میں بہت کچھ کرنا ہے۔ آپ پہلے ہی پر کاٹ دینے پر تلی ہیں۔" اخفش سن کر ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"اتنی جلدی تو لوگ بیٹی نہیں بیاہتے دادی جان۔" اس نے دہائی دی۔

"کیوں نہیں بیاہتے؟" صوفیہ بحث پر اتر آئیں "تم سے چھوٹی ہے نازک اور لیلیٰ اسے بیاہنے کو تیار ہے۔"

"اوہاں۔ آپ کو نازک کا خیال ہی کیوں آیا۔ ایسے بیٹھے بٹھائے۔" اخفش کو دوسرا مسئلہ بھی یاد آیا۔

"سیدھی بات ہے۔ مجھے تو نوال ہی پسند تھی۔ اب بھی ہے۔ مگر اس کا نام سن کر تو تم یوں بدکے جیسے میں نے لٹھ مار دیا۔"

"اوہ خدا... وہ بلا، آپ اب تک بھولیں نہیں اسے۔" اخفش نے سر پکڑا۔

"وہ بھولنے والی چیز ہے بھلا... ایسی چلبلی، شوخ، صبح بہاراں سی لڑکی... تمہارے دلوا بھی کتنے خوش ہو

گئے تھے۔ اخطب اور نوین نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ بس تمہیں ہی پتنگے لگ گئے۔"

"مجھے نہیں لگتی اچھی دادی جان! مجھے کبھی بھی مردانہ اوصاف رکھنے والی مردمار لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔" اخفش عاجز آکر کھڑا ہو گیا۔ "ایک ہی بات کو کتنی بار دہرایا جائے' خود کو ہر فن مولا سمجھنے والی لڑکیاں' ہر بات میں گھسنے والی بلاوجہ کی تکرار' عورت مخفی چیز کا نام ہے۔ اپنے دائرے میں سمٹی ہی اچھی لگتی ہے۔ یہ کیا کہ۔۔۔ خود انحصاری کے نام پر اپنی جبلت ہی چھوڑ دے' پراعتماد ہونا اچھی بات ہے مگر حد سے بڑھی نوال جیسی خود اعتمادی اور خود مختاری مجھے پسند نہیں۔۔۔

میں ایسی لڑکیوں کو نا صرف ناپسند کرتا ہوں بلکہ ان سے کوسوں دور بھاگتا ہوں اور آپ کہتی ہیں کہ زندگی بھر کے لیے۔۔۔ نیور امپاسبل۔۔۔"

سال پہلے اس نے صرف قطعیت سے انکار کیا تھا تب برا لگا تھا۔ اور آج وجوہات بھی بتادی تھیں اور ان الفاظ اور لہجے کے اتار چڑھاؤ نے صوفیہ بیگم کو سخت بدمزہ کیا۔

"بہت افسوس ہوا اخفش! جنہیں تم نے اتنے برے لہجے میں برائیاں گنوایا ہے وہی تو اس بچی کی خوبیاں ہیں۔ محبت کرنے والی' ملنسار' قابل' ذہین' درد مند' ہنسنے والی' ہنسانے والی' زندگی کی مشکلوں کو ہنس کر جھیل جانے والی باہمت لڑکی۔۔۔ ایسی لڑکی جس پر آنکھ بند کرکے بھروسا کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح اس نے اپنے معذور باپ کو زندگی کی طرف واپس موڑا۔ وہ بھی صرف آٹھ سال کی عمر میں۔ تم نے نجانے تعصب کی کون سی عینک آنکھوں پر لگا رکھی ہے۔ جس میں اس کا اجلا تن اور من دکھائی ہی نہیں دیتا۔"

تواتر سے بولتی صوفیہ بیگم کا لہجہ ناراضی سے بھرپور ہوتا جارہا تھا۔

"میں تو چاہوں گی نبیحہ' نوال سی خصوصیات لے کر پروان چڑھے۔" ان کا لہجہ سچائی کا مظہر تھا۔ جو دو ماہ کی پوتی کے لیے نوال جیسا بن جانے کی دعا مانگ رہی تھیں۔ اخفش نے پہلی بار چونک کر دادی کو دیکھا۔

"اپنے زور بازو پر بھروسا صرف مردوں کی خوبی نہیں' یہ انسانوں کی خوبی ہوتی ہے۔ مرد تناور درخت کی طرح ہوتا ہے۔ ایستادہ مضبوط۔۔۔ عورت نازک بیل سی ہوتی ہے۔ مگر چڑھتی ہمیشہ اوپر کی طرف ہے۔۔۔ نکلنے والا ہر نیا پتا اور بڑھتی شاخ اوپر ہی کو اٹھتی ہے۔ پھر کسی کو دیوار ملے نہ ملے الگ بات ہے۔ یہ قانون قدرت ہے۔

اور رہے تم۔۔۔ تمہیں نازک جیسی لڑکی ہی سوٹ کرتی ہے۔ میں عنقریب تمہارے دادا اور باپ سے مشورہ کرکے بات کو آگے بڑھاتی ہوں۔"

"آپ تو خفا ہو گئیں دادی جان!" اخفش دوبارہ ان کے قریب آبیٹھا۔

"نہیں' کوئی خفا نہیں۔۔۔ مگر میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے' میری شدید ترین خواہش تھی کہ نوال نہ سہی' نوال جیسی فطرت کی حامل لڑکی تمہاری زندگی میں شامل ہو۔ مگر تم۔"

صوفیہ اٹک گئیں۔

"من مانی کسی کی بھی اچھی نہیں لگتی۔ مگر اپنی کرنی عورت پر ہی حد لگاتے ہیں۔ عورت سسکتی گڑگڑاتی محتاج ہی کیوں اچھی لگتی ہے۔ اللہ نے اسے پورا مکمل انسان بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی کمی نہیں رکھی کہ اس پر ترس کھایا جائے یا کمتر سمجھا جائے۔

دین کے کسی رکن کی ادائی میں اس کے لیے چھوٹ نہیں۔۔۔ مرد و عورت کی نماز برابر۔۔۔ زکوٰۃ برابر۔۔۔ حج یکساں۔۔۔ جزا پوری' سزا ایک سی' برا ایسا کچھ نہیں ہے۔ اللہ کوئی چیز بنائے اور وہ کمتر ہو؟ استغفار۔"

صوفیہ بیگم نے جھرجھری لی۔ ان کی آنکھ میں خوف خدا نے نمی سی پیدا کردی تھی۔ دل گرفتی سے پوتے کو دیکھا جو بالکل سفید چہرے کے ساتھ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"جاؤ۔۔۔ میں اب تھوڑا آرام کروں گی۔" صوفیہ بیگم نے نظریں پھیر لیں۔

اخفش شرمسار سا پیچھے ہو گیا۔ صوفیہ تکیہ درست کرکے لیٹ گئیں۔ اخفش مجرم سا کھڑا کا کھڑا تھا۔

"میں عورت کو کمتر تو نہیں سمجھتا دادی جان! آپ نے جو کچھ کہا میں اس سے اگری کرتا ہوں۔"

اخفش بیڈ کے کنارے پر ٹک گیا اور ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"اور میں خدانخواستہ نوال کی کردار کشی نہیں کر رہا۔ وہ سچ مچ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اور یہ بات میں دل سے تسلیم کرتا ہوں۔ مگر بس... لائف پارٹنر کے حوالے سے میرے کچھ اصول ہیں پلیز انڈراسٹینڈ می دادی جان۔ وہ مجبور سا ہو گیا صوفیہ اس کی شکل دیکھنے لگ گئیں۔

"میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں دادی جان!" خاموشی کا وقفہ اعصاب پر حاوی ہونے لگا تب اخفش کا بے بسی میں گھلا لہجہ صوفیہ بیگم کی سماعتوں سے ٹکرایا۔

"مجھے یقین آ گیا ہے۔ میرا بچہ اتنا غلط ہو ہی نہیں سکتا اور پھر میری تربیت اتنی خراب بھی نہیں تھی۔" وہ مسکرائیں۔

"تو پھر اصل بات یہی ہے۔ یہ دوسری والی۔"

اخفش ان کے اوپر جھک آیا۔ صوفیہ بیگم نے بھی جھٹ لپٹا لیا۔ ماتھے پر بوسہ دیا۔

"نازک کے لیے اگر تم ہاں کرتے ہو تو تمہارے باپ کو فون ملا دوں امریکہ۔" صوفیہ بیگم کو یاد آیا۔

"اب آپ شرمندہ مت کریں دادی جان! آپ کو سارے حق ہیں، جو فیصلہ کریں۔"

"نہیں بھئی...!" صوفیہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

"میں پہلے بھی اسی بھروسے نوال کا نام لے کر تمہارے باپ سے بات کر چکی ہوں پھر تمہارے انکار نے مجھے شرمندہ کروایا۔ اب تم گرین سگنل دو گے تو بات بڑھے گی۔" صوفیہ بیگم نے یاد کروانا ضروری سمجھا۔

شرمندہ ہوتا اخفش یکدم چونکا اسے بروقت یاد آیا تھا۔

"آپ مسلسل مجھے ہی موردِ الزام ٹھہرا رہی ہیں دادی جان! جیسے سارے قصور میرے ہوں۔ اس نوال کی بچی نے بھی تو صاف انکار کیا تھا کہ زندگی بھر کنواری رہ لے گی مگر اخفش انعام توبہ توبہ۔"

اخفش نے کانوں سنی بات دہرائی۔ چہرے پر غصہ بھی عود کر آیا تھا۔ آنکھیں شرربار ہو گئیں۔ منہ سے جھاگ نکلنے لگے۔

"ہاں تو ٹھیک ہے ناں.... اس کا حق تھا اس نے استعمال کر لیا۔ اور تم نے اخفش! الزام کا ٹوکرا اٹھا کر ایک بار پھر اس کے سر رکھ دیا۔"

صوفیہ بیگم نے جتایا مگر اخفش کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔ "اس نے بھی تو منع کر دیا تھا۔ بلکہ طوفان اٹھایا تھا۔"

★ ★ ★

"کیا؟" پانی پیتی نوال کو اچھو لگا تھا۔ ایک پھوار سی منہ سے نکلی ہاتھ کی پشت ہونٹوں پر رگڑ کر اس نے نوین کی صورت دیکھی۔

"واقعی... آپ نے وہی کہا ہے، جو میں نے سنا۔" اسے اپنی قوت سماعت پر بھی شک ہوا بات ہی ایسی تھی۔

"تم نے وہی سنا ہے، جو میں نے کہا ہے۔" نوین نے جما جما کر کہا۔

"خالہ! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" نوال اپنی جگہ سے اٹھ آئی۔ اور نوین کا ماتھا چھو کر دیکھا۔

"ختم کرو نوال... زیادہ ہو گئی۔" نوین کو ایسے ہی ردعمل کی توقع تھی۔

"میں نے صرف تمہیں یہی بات کہنے کے لیے بلوایا ہے اور بہت سوچ سمجھ کر یہ بات کہی ہے۔ ایسی باتیں یونہی منہ سے نہیں نکالی جاتیں سمجھیں۔"

نوین نے اپنے رتبے کے حساب سے مدلل اور قطعی لہجہ اپنایا۔

"وہ مجھے پتا ہے۔" نوال تسلی سے نشست پر براجمان ہوئی۔ "لیکن مجھے گمان ہوا آج کل آپ کے سارے کام الٹے ہو رہے ہیں۔ کبھی پودینے کی ڈنڈیاں چباتی ہیں، کبھی کچے چاول۔"

نوال نے بڑے منہ بنائے "اور اس دن اف نوال کی آنکھیں پھیلیں۔ "آپ چینی کا ڈبا گود میں لیے بیٹھی تھیں اور مٹھیاں بھر بھر کے پھنکے مار رہی تھیں اف" اس نے جھرجھری لی "تو مجھے یونہی خیال آیا آج کل

دماغ الٹا ہوا ہے تو بات بھی الٹی ہی کریں گی۔"

اپنی تجزیاتی رپوٹ پیش کرنے کے بعد نوال ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی۔ نوین نے دانت پیس کر اسے گھورا (نوین کی پریگننسی کا آغاز تھا۔ وہ واقعی سارے الٹے کام کرتی پائی جاتی تھی۔ اگر نوال نے بات کو جوڑا تھا تو ایسا غلط بھی نہیں تھا مگر)

"یہ میری ہی نہیں، اخطب کی بھی خواہش ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" نوال کی آنکھیں ابل پڑیں۔

"ہاں۔۔۔ میں تو بقول تمہارے پاگل ہو چکی ہوں، اب ان کے لیے بھی کچھ کہہ دو۔"

"کچھ کیا؟" نوال نے ہاتھ نچایا "خربوزے کو دیکھ کر خربوزے نے رنگ پکڑا ہو گا۔ مجھے ان کی عقل پر شک ہونے لگا ہے۔

ماں بنتی عورت کی جسمانی حالتوں میں فرق آجاتا ہے تو ہو سکتا ہے باپ بننے والے کا دماغ الٹ جاتا ہو۔ تب ہی وہ کچھ بھی سوچ لے۔۔۔ کہہ دے۔"

نوال نے نتیجہ پیش کر دیا اور وہ اپنے طور پر درست بھی تھی اس کی اور اخفش کی شادی کی بات کرنے والا یا تو ہوش و حواس میں نہیں ہو سکتا یا پھر اس کا واقعی دماغ الٹ گیا ہو۔

"یہ ہم سب کی خواہش ہے نوال کی بچی۔۔۔! اشتیاق انکل، صوفیہ آنٹی۔۔۔ اخطب اور میں بلکہ امی بھی یہی چاہتی ہیں۔" نوین نے صاف بات کرنا بہتر سمجھا۔

"آپ مجھ سے بدلہ لے رہی ہیں خالہ!" نوال کو خیال آیا۔

"بدلہ۔۔۔ کیسا بدلہ؟" نوین کے سر سے گزری یہ بات۔

"یہی بدلہ کہ میں نے جیسے آپ کی شادی کروادی تو اب آپ میری۔۔۔ آہ۔" اس نے لہجے میں مصنوعی یاسیت پیدا کی۔ "لیکن خالہ! میں نے تو آپ کا بھلا چاہا تھا اور آپ۔۔۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ (جھوٹ موٹ)

"اوہ نوال۔۔۔!" نوین نڈھال ہو گئی۔ "میری پوری بات تو سن لیں۔"

وہ بات کو حسب عادت ہوا میں اڑا رہی تھی۔ ایک بار سنجیدگی سے سن تو لیتی۔ صوفیہ نے اعلان کیا تھا اخطب کی شادی میں دیر ہو گئی۔ وہ اخفش کی بہت جلدی کریں گی۔ اور صوفیہ نے یکدم تو کہہ نہیں دیا تھا۔ وہ نجانے کب سے اس معاملے پر سوچ رہی تھیں، اشتیاق احمد نے یہ سن کر انہیں سراہا۔ اور پھر جب لڑکی کا نام سنا تو اش اش کر اٹھے (اس وقت لڑکی بھی اش اش کر رہی تھی)۔

"اخطب کو بھی تم بہت پسند ہو نوال۔۔۔ سب سے زیادہ تو وہ خوش ہوئے۔ کہنے لگے کہ اگر نوال۔۔۔"

"خالہ۔۔۔" نوال بری طرح چونکی نوین کا جملہ کاٹ دیا اور سامنے بیٹھ کر دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے نوین گھبرا کر اسے دیکھنے لگی۔ کیا ہو گیا تھا اب۔

"کہیں ایسا تو نہیں۔۔۔ وہ آپ کو بلیک میل کر رہے ہوں؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ میری معصوم سی خالہ۔۔۔ کہ جاؤ اپنی بھانجی کا رشتہ لے کر آؤ اور اگر خالی ہاتھ آئیں تو تمہارے لیے بھی اس گھر کے دروازے بند ہوں گے۔" نوال نے ڈرامائی لہجہ اختیار کیا۔

"ارے۔۔۔!" نوین اچھل ہی تو پڑی۔ "اللہ نہ کرے اور اخطب کیوں کہیں گے ایسا۔"

"نہیں خالہ! آپ مجھ سے دل کا حال کہہ سکتی ہیں۔ کیا وہ آپ کو مجبور کر رہے ہیں اگر ایسا ہے تو آپ کھل کر مجھے بتائیے۔۔۔ بتائیے بتائیے۔" نوال کا انداز پچکارتا ہوا ہو گیا۔ "میں اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔ میرے ہوتے ہوئے یہ سب۔۔۔ اونو"

"خدا کے لیے نوال!" نوین نے نوال کی بلند ہوتی آواز اور مقررانہ انداز سے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بے چاری پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ اخطب ایسے نہیں ہیں، یہ تو بس ایک خواہش ہے اور تم سنتی تک نہیں۔ بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں تم سیریسلی سنو تو۔" نوین تھک گئی۔

"اوکے!" نوال نے ہاتھ اٹھائے۔ "اگر بات سیریس ہونے کی ہے تو خالہ میرا اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ ہمارا مینٹل لیول۔۔۔ ٹوٹلی اپوزٹ۔۔۔ مجھے سب کی محبت اور خلوص پر کوئی شک نہیں مگر پلیز اس بات کو یہیں ختم کردیجیے۔"

"تم ایک بار غور تو کرتیں نوال!"

"غور و فکر تک کیسے پہنچوں خالہ۔۔۔ جب سن ہی نہیں پاتی۔"

"وہ بہت اچھا ہے نوال!" نوین کو بہت محبت اور انسیت تھی اس سے۔

"سچ خالہ! میں نے کب کہا۔ وہ برا ہے۔ وہ واقعی بہت اچھا ہے مگر ہمارا کوئی کنیکشن ہو ہی نہیں سکتا۔" نوال نے بے حد سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے لجاجت سے کہا، نوین اثبات میں سرہلانے لگی۔ جیسے تسلیم کر رہی ہو۔ مگر اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"اور خالہ! صرف میں ہی کیوں، مجھے یقین ہے یہ آئیڈیا جب آپ کا چیتا سنے گا تو وہ تو طوفان اٹھا دے گا۔ کپڑے پھاڑ کر جنگل میں نکل جائے گا قسم سے۔" نوال ہنسی اور انداز اتنا بے ساختہ تھا کہ نوین کے لبوں کو بھی مسکراہٹ چھو گئی۔

"یہ ہوئی ناں بات۔" نوال نے نوین کے شانے پر بازو پھیلا دیا۔

"آن سیریس نوٹ خالہ۔۔۔ میں اور اخفش بجلی کے دو مخالف تار ہیں۔ جن کے ٹکرانے سے صرف دھماکا ہو سکتا ہے۔ ہم ندی کے دو کناروں کی طرح ہیں خالہ۔۔۔" نوال نے افسانوی مثال دی "ہم ٹرین کی پٹڑی کی طرح ہیں جو ساتھ چل تو سکتی ہیں مگر ملتی کبھی نہیں۔" نوال نے اداکاری کی حد کردی۔ گردن افسردگی سے گرادی۔ جیسے دل پھٹ جانے کو ہو۔ نوین نے سر پکڑ لیا۔

"دراصل خالہ میں اور اخفش۔۔۔ ہم دونوں۔"

"بس!" نوین نے دونوں ہاتھ کھٹاک سے جوڑ دیے۔ "مجھے پتا چل گیا۔ تم اور وہ۔۔۔ وہ اور تم ایک دوسرے کے لیے نہیں ہو۔ مجھے معاف کردو، ہماری توبہ جو آئندہ ایسا خیال۔"

"خالہ! بے ہودہ خیال۔۔۔" تسلی سے سنتے ہوئے اس نے تصحیح کے لیے اضافہ ضروری سمجھا۔

"ہاں ہاں بے ہودہ خیال جو ہم کبھی ذہن میں لائیں۔" نوال متانت سے سرہلاتی رہی۔ نوین اپنا عہد دہراتی رہی۔

☆ ☆ ☆

نوال بلا کی سحر خیز تھی۔ اور ادھر اتوار کے دن سب دوپہر تک سونا فرض سمجھتے تھے۔ نوال نے بھی دیر تک سونے کی اس عادت کو اپنانا چاہا تھا مگر ناکامی ہوئی۔ لہٰذا وہ حسب عادت اپنے وقت پر ہی اٹھتی اور اشتیاق احمد کے ساتھ واک پر نکل جاتی۔ کبھی وہ گھر کے پاس والے پارک تک جاتے اور کبھی اشتیاق احمد گاڑی نکال لاتے اور یہ دونوں ساحل پر پہنچ جاتے۔

اس وقت بھی اچانک پروگرام بن گیا اور صبح صبح یہاں آکر مانو مزہ آگیا۔ اگست کے مہینے کی بادلوں سے ڈھکی ذرا ذرا برستی صبح۔

گیلی ریت پر پیر پڑے تو پورے جسم میں سردی گدگدی سرسرا اٹھی۔۔۔ دور آسمان پر اڑتے پرندے۔۔۔ بہت دور نگاہ کی حد پر نقطہ نظر آتی پانی کے سینے پر ڈولتی لانچیں۔۔۔ چیدہ چیدہ پڑی سیپیاں۔۔۔ ایک مکمل منظر اور منظر کی دلکشی میں اضافہ کرتی ہنستی مسکراتی نوال۔۔۔ محبت شفقت اور دلچسپی سے نوال کو دیکھتے اشتیاق احمد۔۔۔

نوال کی رکتی ہنسی ایک بار پھر زور پکڑ گئی۔ اشتیاق احمد نے بات ہی ایسی کی تھی۔

"میں اب تمہارے لیے جاگنگ سوٹ خود اپنی پسند کا خرید کر لاؤں گا۔ تمہیں تو ذرا سینس نہیں کیسے کپڑے اور کلرز چوز کرنے چاہئیں۔" وہ واقعتاً بدمزہ ہوئے تھے۔ نوال نے سفید تنگ ٹراوزر پر گول دامن والی گرے اور سفید پرنٹڈ شرٹ پہن رکھی تھی۔ کسی اور سوٹ کا دوپٹا اٹھا کر شانے سے آگے پیچھے ڈال کر پہلو میں گانٹھ لگا کر۔۔۔ پیروں میں بڑے بے ہودہ سے

جاگرز کے ساتھ وہ اپنے تئیں خود کو بالکل ٹھیک سمجھ رہی تھی۔ جبکہ اشتیاق احمد کا موڈ ہی خراب ہو گیا تھا۔

نوال کھلکھلا کر ہنس دی۔ پھر اس نے اشتیاق احمد کو بغور سر تا پیر دیکھا۔ اپنے فیورٹ جاگنگ سوٹ میں ملبوس... ڈارک اورنج کلر کا سوٹ، جس کے سینے پر فیروزی، سرخ اور آتشی گلابی پٹیاں لگی تھیں۔ پیلے رنگ کے جوگرز کے ساتھ اپنے سفیدی مائل گرے گھنے بالوں کو ہوا سے اڑنے سے بچانے کی کوشش کرتے وہ آسٹریلین طوطے سے کیا کم لگ رہے تھے۔

اور اس پر جب نوال کو اپنا جائزہ لیتا پایا تو انداز میں زیادہ اعتماد اور بے نیازی در آئی تو نوال کی رکتی ہنسی دوبارہ فضا میں گونجنے لگی۔

"واقعی میں آپ جیسا ڈیسنٹ اور ایلیگنٹ ڈریس مینس کہاں سے لاؤں۔"

اشتیاق احمد نے حق سمجھ کر سرہلاتے ہوئے تعریف وصول کی بلکہ آگے پھندنا بھی لگایا "میری کلر چوائس کی تو ایک دنیا تعریف کرتی ہے۔" دوبارہ انہیں سر سے پیر تک دیکھا اور ہونٹ پھیلا کر سرہلایا۔ اشتیاق احمد کا سینہ فخر سے تن گیا' دونوں ساحل پر ٹہل رہے تھے۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ..." نوال بولی۔ "آپ روز مرہ روٹین میں اتنے برائٹ کلرز استعمال کرتے ہیں تو اپنی شادی پر تو آپ نے سارے ارمان پورے کیے ہوں گے؟ کون کون سے کلرز چوز کیے تھے۔"

مسکرا کر سنتے اشتیاق احمد کا موڈ آف ہو گیا۔ اتنا برا منہ بنایا جیسے کڑوا بادام چبالیا ہو۔

"ہاں ہو گئے تھے ارمان پورے... مایوں مہندی میرے ابا نے کرنے نہیں دی۔ بولے کا کے تو مرد ہے کہ زنخا خبردار... جو کوئی ڈراما کیا۔ گھر کے باہر والی دیوار پر بھی چونا پھروا دے اور سامنے کے درختوں کے تنوں پر اپنے ہاتھوں سے پھیر دے۔ مہمانوں نے آنا گھر کے اندر ہے۔ مگر گلی سے گزر کر ہی آئیں گے۔ سارے ہاتھ کٹ گئے تھے چونے سے... نکاح نامے پر سائن تک نہیں کیے جا رہے تھے۔"

قصے سے زیادہ اشتیاق احمد کا اندازِ بیان دلچسپ تھا۔ نوال ہنس دی۔

"تو بارات' ولیمہ کے سوٹ اپنی پسند کے بنوائے ہوں گے۔ مایوں کا پیلا کرتا نہ پہننے کا دکھ ختم ہو گیا ہو گا۔" نوال نے لاپروائی سے کہا۔

"ہونہہ!" اشتیاق احمد نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

"دونوں جوڑے صوفیہ کے گھر سے آنے کا رواج تھا اور تم کیا ان کی چوائس سے واقف نہیں... بارات کی سرمئی شیروانی اور جناح کیپ... مجھے لگ رہا تھا۔ میں بیاہنے نہیں اسمبلی کے اجلاس میں حلف اٹھانے جا رہا ہوں۔ ولیمہ کے لیے کوٹ پینٹ تھا۔ میں ریڈ بو (کالر کے سرے پر لگائی جانے والی سلک کی تتلی) لگانا چاہتا تھا۔ ادھر سے بسکٹی رنگ کے سوٹ کے ساتھ ڈارک براؤن سلک کی سادہ ٹائی آ گئی۔ سوٹ تو بدل نہیں سکتا تھا۔ ٹائی ہی کچھ رنگین شوخ ہو جائے تب والدہ صاحبہ نے ڈانٹ دیا۔ دلہن کا دل برا ہو گا اور وہ جو میرا دل برا ہوا تھا وہ۔"

اشتیاق احمد کا انداز و لہجہ اس بہو کا سا تھا جو قبر میں ٹانگیں لٹکائے ہوئے بھی سسرال سے آئی بری میں کیڑے نکالنا نہیں بھولتی۔ کتنے عرصے بعد آج کسی نے دل کی کہنے سننے کا موقع دیا تھا۔ پھولتے پچکتے نتھنے' چڑھی آنکھیں' نخوت اور آخر میں پچھتاوا... نوال کی آنکھیں پھیلتی جاتی تھیں۔

اس نے ایسی باتیں کبھی سنی نہیں تھیں اور وہ بھی ایک مرد کے منہ سے... پر اسے اپنی ہنسی قصداً" روکنا پڑی۔ کیونکہ اشتیاق احمد تو یادِ ماضی کے صدمات سے ابھر ہی نہ پا رہے تھے۔ بچوں کی طرح ہونٹ لٹکا کر خفا ہو بیٹھے۔ وہ تو واقعی دکھی تھے۔ لہٰذا نوال کو ہمدرد کا کردار ادا کرنا چاہیے تھا۔ ایسا کیا کرے کہ ان کا موڈ بحال ہو۔

"چلیے۔ آپ اخفش کی شادی میں اس کے لیے اپنی پسند کی شیروانی بنوا لیجیے گا۔ بلکہ اس کے لیے ہی کیوں اپنے لیے بھی۔"

"واقعی..." اشتیاق احمد کی آنکھوں میں مسرت اتری۔ "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔"

"ہاں تو میں بتا رہی ہوں ناں اب۔" نوال نے کہا۔
"پر اس وقت پتا نہیں کتنا وقت لگ جائے۔" اشتیاق احمد کو شاید ہتھیلی پر سرسوں جمانا تھی۔
"آجائے گا عنقریب آجائے گا۔ وہ وقت بھی۔۔۔" صوفیہ دادی کے ارادے تو نیک ہیں۔" نوال ہنسی۔

"ہاں۔" اشتیاق احمد کے لہجے میں اشتیاق کا فقدان تھا۔ "شادی کا ارادہ تو نیک ہے مگر مجھے لڑکی اتنی پسند نہیں۔"
"ارے!" نوال کو اتنے قطعی پن پر تحیر ہوا۔ "کیوں اتنی پیاری سی تو ہے۔ خوب صورت' پھر رشتے دار ہے اور میرے خیال میں اخفش کی پسند کے عین مطابق ہے۔" نوال اتنے دنوں سے نازک کو دیکھ رہی تھی۔ اتنا تو جان ہی گئی۔
"ہونہہ۔۔۔ اخفش اور اخفش کی پسند۔۔۔" اشتیاق احمد نے بدمزہ ہو کر دہرایا۔
"آپ کو کیا اعتراض ہے۔"
"مجھے کوئی اور لڑکی پسند ہے۔" اشتیاق احمد نے براہ راست نوال کی آنکھوں میں جھانکا۔
"شادی آپ کی نہیں ہونی۔" نوال نے نگاہیں چرائیں۔
انکار کیا تو تھا۔ اشتیاق احمد کے منہ پر بھی کر سکتی تھی۔ تمام دلائل و حقائق کے ساتھ مگر اب ان کے منہ پر ان کے پوتے کے عیب نکالتی؟ اور ان سے کیا بعید۔۔۔ رونا ہی شروع کر دیں لہٰذا نوال نے بات کو ہلکا پھلکا رنگ دیا۔
"ویسے تمہیں اخفش پر کیا اعتراض ہے؟" اشتیاق احمد نے معصومیت کی حد کر دی۔
"اعتراض۔۔۔ تصحیح کریں' اعتراضات ہیں اور صرف میں ہی کیوں اسے مجھ سے بڑھ کر مجھ پر اعتراضات ہیں۔" نوال نے صاف گوئی کی حد کر دی۔
"اور دوسرے ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔ یہ بات سال پہلے طے کر لی تھی۔" نوال نے دوستی کے کچھ اصول یاد کروائے۔ ایک دوسرے کی رائے کا احترام۔۔۔ حاوی نہ ہونا۔ مجبور نہ کرنا۔ اشتیاق احمد نے سر ہلایا۔ جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے نوال نے بھی پیش قدمی کی اب دونوں خاموش اپنی اپنی سوچ میں گم ریت پر چل رہے تھے۔
"اب کیا ہم یوں خفا خفا رہیں گے۔" اشتیاق احمد کو لگا وہ ناراض ہو گئی ہے۔
"ارے نہیں۔" نوال چونکی "میں تو بس سوچ رہی ہوں۔ ہمیں اپنی تیاری پوری رکھنی چاہیے۔ ہم تو بھئی دل بھر کے ارمان نکالیں گے۔ پہلے ہی خالہ کی شادی' شادی کم خفیہ مشن زیادہ تھا۔ خشک سانس اور ہر پل خطرہ۔"
اشتیاق احمد نے بھی زور و شور سے سر ہلا کر تائید کی۔
"ویسے یہ نیک کام کب انجام دیا جائے گا۔ یہی رشتہ وشتہ' منگنی و نگنی۔"
"عنقریب ہی۔۔۔ لیلیٰ بیگم اپنے گھر واپس لوٹ جائیں تو پھر ہم سب جائیں گے باقاعدہ رشتہ لے کر۔۔۔ صوفیہ سارے ارمان نکالنا چاہتی ہیں وہی تمہاری والی بات اخطب اور نوین کی شادی تو ایسی اچانک ہوئی کہ۔۔"

نوال سر ہلانے لگی۔
"کہہ رہی تھیں۔ جھولی پھیلا کر مانگوں گی نازک کا ہاتھ اپنے اخفش کے لیے اور ایسی بارات چڑھاؤں گی کہ دنیا دیکھے گی۔" اشتیاق احمد بتا رہے تھے' پر نوال ٹھٹک کر رک گئی تھی۔
"تمہیں کیا ہوا؟ رک کیوں گئیں؟"
"آں۔۔۔ کچھ نہیں۔" نوال اپنے خیالات سے ابھری۔
"میں تو بس یہ کہہ رہی تھی صوفیہ دادی سے کہیے گا جس دن جھولی پھیلا کر نازک کو مانگنے جائیں۔ اے لائن قمیص پہن لیں۔ اب سیدھی قمیص کے دامن میں اتنی گنجائش کہاں کہ اس میں نازک اندام سما سکے۔"
نوال کا لہجہ بے حد سنجیدہ اور متفکر سا تھا۔ اشتیاق

احمد بغور سن رہے تھے۔ مشورہ ختم ہوا۔ تب چونک کر نوال کی شکل دیکھی۔ جو ہونٹ کا کونا دانت میں دبائے ایڑی پر گھومتے ہوئے ان کی آنکھوں ہی میں دیکھ رہی تھی۔

"بہت شریر ہو تم۔" اشتیاق احمد نے شفقت سے نوال کو ڈپٹتے ہو سر پر چپت لگائی۔

"جناب ...!" نوال سر تسلیم خم کرتے ہوئے آداب بجالائی۔

☼ ☼

نوال یونی ورسٹی سے لوٹی تو اس کے پاس ایک نئی اسٹوری تھی۔ اسٹوری بھی کیا ایک مشن .... پورا ملک سیلاب 'بارشوں 'طوفانوں کے سبب تباہی کے زیر اثر تھا۔ لہٰذا ایک مستند فلاحی تنظیم اور فوج کے جوائنٹ وینچو کے تحت امدادی سامان کو لے کر کچھ گروپس ان علاقوں کی جانب روانہ کیے جارہے تھے۔ ان میں گرل گائیڈز 'اسکاؤٹس 'ڈاکٹر اور دوسرے بہت سے لوگ بھی شامل تھے۔ جو آفت زدہ علاقوں میں کسی بھی حوالے سے مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ لہٰذا جانے والوں کی لسٹ میں سب سے اوپر نام نوال ضمیر خان کا تھا۔

زینت بیگم کو سنتے ہی ہول اٹھنے لگے۔

"ارے وہ سب آفت زدہ مجبور لوگ گھربار چھوڑ کر کھلے آسمان تلے بیٹھے ہیں۔ تم کہاں جانے لگیں۔"

"ان کی مدد کرنے نانو..." نوال کاغذ قلم لے کر ایک لسٹ بنارہی تھی۔

"تو رہو گی کہاں؟"

"کیمپ میں نانو..."

"کھانا پینا کیسے ہو گا؟"

"خود پکائیں گے نانو... لکڑیاں جلائیں گے۔ مٹی کے تیل کے چولہے نانو۔"

"ارے بابا... چولہے پھٹ جاتے ہیں۔" زینت بیگم نے دل پر ہاتھ رکھا۔ نوال نے تاسف سے سر ہلایا۔

"میں اپنی سسرال نہیں جارہی نانو... کہ میرا چولہا پھٹ جائے۔ میں ہیلپ کے لیے جارہی ہوں۔"

"اللہ نہ کرے کیسی بدفالیں منہ سے نکال رہی ہو۔ خدا تمہیں ہنستا بستا گھربار دے۔ سب کے دلوں پر راج کرو۔ ایسے نہیں بولتے بیٹا...!" زینت بیگم کو وہم ہی ہو گیا۔ "تم تو پری ہو شہزادی۔ دل میں گھر کرنے والی گڑیا..."

"بس نانو!" نوال سے ان کی پھولتی سانسیں برداشت نہ ہوئیں۔ ابھی بی پی بڑھ جائے یا شوگر گر جائے... "نہیں پھٹے گا میرا چولہا... بلکہ آپ نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ میں چولہا پھاڑ کے آجاؤں گی 'کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میں نے کیا ہاتھوں میں چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔" نوال نے دونوں بازو لہرا کر دکھائے۔

"یا اللہ...!" زینت بیگم نے سر پکڑا۔

"لوگ! ماں 'باپ کیا کہیں گے 'جوان لڑکی کو کدھر بھیج دیا میں نے..."

"نانو...!" اس نے قطعیت سے پکارا "میں کوئی اکیلے تھوڑی جارہی ہوں پوری ٹیم ہے ٹیم... اور پھر میں نے ایتھا اسٹینڈرڈ میں ہنگامی حالات سے نبٹنے کی تربیت لی تھی۔ ایبٹ آباد کے زلزلے کے بعد پوری قوم کو چاہیے تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ ایسا ضرور سیکھے جو خدانخواستہ ایسے حالات میں کام آئے۔ مگر۔" نوال نے تاسف سے کہا۔ "وہاں میری ضرورت ہے نانو... ناکارہ ہونا جرم نہیں ہوتا... لیکن آپ کارآمد ہیں اور پھر بھی کسی کے کام کے نہیں... اس سے بڑا جرم کوئی نہیں اور اس عمل کو بھی کفران نعمت کہتے ہیں۔"

نانو پر تقریر کا اثر ہونے لگا۔ چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

"اچھا... تو پھر جانا کب ہے؟"

"بس دو دن بعد..." نوال نے بتاتے ہوئے نانو کو سیلوٹ بھی کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"جانے دو لیلیٰ! تم نے تو بچی کو بالکل ہی محدود کر کے

رکھ دیا ہے۔" صوفیہ دادی نے نازک کو دیکھتے ہوئے
اپنی کزن پلس دوست کو لاپروائی سے کہا نازک پنڈولم
بنی ہوئی تھی۔ صوفیہ بیگم بولتیں تو اس کے چہرے پر
قائل ہونے کے تاثرات آجاتے اس کی نانو جان
بولنے لگتیں تو وہی درست لگنے لگتیں۔

"کیسے جانے دوں صوفیہ... تم نے حالات دیکھے
ہیں۔ امن و امان کی خراب صورت حال... پھر جن
ایریاز کی طرف یہ جانے کی بات کر رہے ہیں وہاں پانی
ہے۔ بیماریاں ہیں۔ کھانے پینے کو کچھ نہیں... آرام
کے لیے کیمپس او مائی گاڈ... یہ تو خود اپنے آپ کو
مصیبت میں ڈالنے والی بات ہے۔ نا بابا ناں میں یہ
رسک نہیں لے سکتی۔"

"میں اپنا خیال رکھوں گی نانو جان!" نازک نے
منانے کی کوشش کی۔

"کیسے رکھو گی خیال... یہاں ذرا سا موسم بدلے تو
تم نڈھال ہو جاتی ہو۔ اتنی کیئر کرنا پڑتی ہے اور ادھر تو ہر
چیز بدل چکی ہے گڑیا!" نانو جان نے حقیقت بتائی۔

"اور لوگ بھی تو ہوں گے ناں؟" وہ یہی کہہ سکی۔

اور لوگوں اور تم میں فرق ہے بیٹا... تم اتنی معصوم
اور سیدھی سی ہو تمہیں دنیا کی چالاکیوں کی کچھ خبر
نہیں۔"

"زندگی بڑے موڑ بدلتی ہے آنٹی... انسان کو ہر
طرح کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا
چاہیے۔ اس طرح نازک کو باؤنڈ کر کے آپ اس کے
ساتھ اچھا نہیں کر رہی ہیں۔" نوین نے بھی اپنی رائے
دی۔

"اللہ نہ کرے اسے ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑے۔"
لیلیٰ بیگم کو ہول اٹھا "پہلے ہی کیا کم ہے۔ ماں کا کفن
میلا نہیں ہوا اور باپ دوسری بیاہ لایا۔ یہ تک نہ سوچا
کہ..."

لیلیٰ بیگم کو ایک ہی راگ آتا تھا۔ جیسے وہ صبح، دوپہر،
شام کبھی بھی شروع کر دیتی تھیں۔ نوین نے ٹھنڈا
سانس بھر کے صوفیہ بیگم کو دیکھا اور ان کے چہرے پر
بھی اکتاہٹ آگئی تھی۔ جب لیلیٰ بیگم کو ٹوک دیا۔

"بس کرو لیلیٰ! بخش دو اسے اب... کون سا بڈھا ہو
گیا تھا۔ جوان آدمی تھا۔ گھر تو اسے بسانا ہی تھا۔ اب کیا
وہ بیوی کے لیے جوگ لے لیتا۔ زندگی میں انسان کو
آگے بڑھنا ہی ہوتا ہے۔ کل کو نازک کی شادی ہو گی۔
وہ اپنی گھر گرہستی میں لگ جاتی تب وہ اکیلا رہ کر کیا کرتا
اور سب سے اہم بات جو میں بہت پہلے کہہ دینا چاہتی
تھی۔ بار بار اس کے سامنے اس کے باپ کو برا بھلا
مت کہا کرو۔ وہ اس کا باپ ہے۔ اسے نازک کی نظر
میں اچھا ہی رہنے دو۔ پتا ہے ناں دو انسانوں کے بیچ میں
بدگمانی پیدا کرنے والے کو کتنا برا کہا جاتا ہے۔"

"اور تم نازک..." صوفیہ بیگم نے حیرت سے سنتی
نازک کو بھی پکار لیا۔

"تمہارے باپ نے شادی کر کے کچھ برا نہیں کیا۔
ہاں اس نے کچھ جلد بازی کی شاید... کچھ عرصہ ٹھہر
جاتا۔ لیکن کرتا تو پھر بھی ناں... تم ابھی بچی ہو۔ اپنے
باپ کی صورت حال کو رئیلائز نہیں کر سکو گی' ہاں مگر
ایک وقت آئے گا جب سب سمجھ سکو گی۔"

لیلیٰ بیگم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ صوفیہ کی حقیقت
بیانی نے آئینہ دکھایا تھا۔ لیلیٰ بیگم بہت دیر تک بول ہی
نہ سکیں۔

"تین سال تک چھوٹی موئی بستر پر رہی۔ وہ چاہتا تو
تب ہی کر لیتا مگر اس نے اس کی زندگی میں اس کے
رتبے کو مان دیا۔ اس کے بعد ہی نکاح پڑھوایا ناں...
زندگی میں پڑھوا لیتا تو... دنیا نے کچھ نہیں کہنا تھا۔"
صوفیہ بیگم نے بات ختم کر دی۔

لیلیٰ بیگم نے پہلو بدلا۔ وہ اس موضوع پر تازہ دم ہو
کر بحث کرنا چاہتی تھیں... مگر نازک نے ان کے
شروع ہونے سے پہلے فیصلہ کن آغاز کیا۔

"میں جاؤں گی نانو جان! انفش کے ساتھ... ہم
اپنے گھر کے اکیلے پن سے گھبرا کر ہی تو رشتے داروں
سے ملنے کے لیے نکلے تھے۔ اگر خالی گھر میں رہنا تھا تو
فائدہ...؟"

"تو بیٹا! یہاں ہم سب ہیں ناں... نوین اور اس کے
پیارے پیارے بچے اور تمہاری صوفیہ نانو اور اشتیاق نانا..."

.... اور۔"

"آپ مجھے جانے دیجیے ناں۔" نازک کا ذہن بن گیا تھا۔ اور لیلیٰ بیگم لہجے سے اندازہ کر رہی تھیں۔ نازک ضد پر آگئی تھی۔

شدید گھبراہٹ سے صوفیہ اور نوین کو دیکھا تو وہاں بھی نازک کی طرف داری تھی۔ چند لمحے گومگو کیفیت میں تینوں کے چہرے دیکھتی رہیں۔ پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچیں (صاف انکار) مگر صوفیہ بھی چہرہ ہی پڑھ رہی تھیں ان کی لب کشائی سے پہلے بول اٹھیں۔

"تم اب کچھ نہیں بولو گی لیلیٰ.... اور تم نازک! جا کر اپنی تیاری کرو۔ تمہاری نانی کی تو کچھ سمجھ میں آتا ہی نہیں۔"

☆ ☆ ☆

"یہ .... ؟ یہ کہاں جا رہی ہے ؟" نوال کے چہرے سے زیادہ حیرانی اس کی آواز سے ظاہر ہوئی۔ جس نے سب کو ہی چونکایا ماسوائے ایک کے کیونکہ یہ گھوم گھوم کر اپنا جائزہ لے رہی تھی.... اخفش نے نوال کا چہرہ دیکھا اور پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا نازک اندام اپنی موٹی ٹانگوں کو جینز میں پھنسائے، اپنے نئے جوگرز پر ہر زاویے سے گھوم کر جوگرز کو چیک کر رہی تھی۔ گول دامن کا سرخ کرتا.... اوپر شیشوں والی کوئی بہت مہنگے امپورٹڈ گاگلز سر پر ٹکے تھے۔

اور سب سے بڑھ کر ایک جوش اور خوشی اس کی ہر حرکت سے عیاں تھی۔

"ہمارے ساتھ اور کہاں ؟" اخفش نے اطمینان سے کہا۔

"ہمارے ساتھ ؟ کیمپ میں۔" نوال کو یقین نہیں آیا۔

اخفش نے فقط سر ہلایا۔ وہ فون پر کوئی نمبر ملا رہا تھا۔ بے یقینی میں گھری نوال نے گردن گھما کر نازک کو دیکھا۔ جو امپورٹڈ سن بلاک اپنے منہ پر مل رہی تھی۔

"یہ وہاں کرے گی کیا ؟" نوال کی آواز چیخ سے مشابہ تھی۔

"وہی جو سب کریں گے۔"

"ہم وہاں ہیلپ کرنے جا رہے ہیں اخفش! یو نو اٹس اے ٹف ٹاسک.... ناٹ آ گیم۔"

"آئی نو ڈیئر.... !" اخفش میسج لکھ رہا تھا۔ مگن انداز سے جواب دیا۔

"وہاں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے، جو جانفشانی سے کام کرنا جانتے ہوں۔ جبکہ تمہاری یہ کزن...." نوال کی نگاہیں گھوم پھر کر نازک پر جاتی تھیں۔ وہ اپنی ناخن پالش دیکھ رہی تھی۔

"آئی نو ویٹ...." اخفش نے ذرا سی نگاہ اٹھا کر نوال کو دیکھا' نگاہیں پھر موبائل پر....

نوال نے پھر نازک کو دیکھا۔ ملازم اس کے بیگز لا کر رکھ رہا تھا جیسے نازک کہیں دو ماہ کی چھٹیاں گزارنے جا رہی ہو جبکہ نوال نے ایک بڑا بیگ تیار کیا تھا جسے اس نے پشت پر اٹھانا تھا۔ بیگ میں چند جوڑے' ایک فالتو جوڑا جوتے' کچھ انتہائی ذاتی ضروری سامان تھا چادریں ایمرجنسی لائٹ.... کچھ دوائیاں اور اسی طرح کی چیزیں' جبکہ نازک کے بیگز میں نجانے کیا کیا کچھ تھا۔ جو وہ اتنا بڑا ڈھیر بن گیا تھا۔

لیلیٰ بیگم باہر آئی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک ہینڈ بیگ تھا۔ وہ نواسی کی خوشی میں خوش تو نظر آتی رہی تھی۔ مگر ایک فکر بھی چہرے سے ہویدا تھی۔

"میں نے نوڈلز کے پیکٹ.... انسٹنٹ سوپ کے ساشے' انرجی ڈرنکس اور بسکٹس رکھے ہیں۔ وہاں پتا نہیں کھانے کا کیا سسٹم ہو مگر تمہیں جب بھوک لگے تو بس جلدی سے بنانا اور کھا لینا.... اخفش بتا رہا تھا' وہ سلنڈر کا چولہا لے کر جا رہا ہے' وہ تمہارے کیمپ میں ہی ہو گا۔ مگر دیکھو....."

لیلیٰ بیگم نے چونکنے انداز سے نازک کا ہاتھ جھپٹا۔

"تم خود سے مت جلانا چولہا.... اخفش ہی سے کہنا۔ پانی کی بوتل بھی رکھی ہے۔ اگر صاف پانی نہ ملے تو اسے یوز کرنا اور کوئی ضرورت نہیں ہے اپنی چیزیں شیئر کرنے کی۔"

"او کے نانو جان! میں سب سمجھ گئی۔"

نازک نے مطمئن ہو کر ہاتھ جھاڑے وہ پنجوں پر ذرا سا اچھلتے ہوئے جسمانی اور ذہنی طور پر کیمپ جانے کے لیے تیار تھی۔ اس نے اپنی نانو جان کو مطمئن کرنے کے بعد جھک کر اپنا بیگ اٹھانا چاہا تب لیلیٰ بیگم چلا اٹھیں۔

نازک تو نازک، صم بکم کھڑی نوال تک اچھل کر ایک قدم پیچھے سرکی تھی۔ (اخفش فون پر بات کرتے ذرا دور جا چکا تھا)

"تم کیوں اٹھا رہی ہو۔ ملازم مرگئے ہیں کیا؟ اے سنو۔" انہوں نے اندر جاتے ملازم کو آواز دی۔ "بی بی کا بیگ گاڑی میں رکھو۔"

"جی۔ میں نے رکھ دیے ہیں۔" ملازم نے گاڑی کی کھلی ڈگی کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے.....!" لیلیٰ بیگم کی آنکھیں پھیلیں۔ "یہ بیگ کون رکھے گا۔"

"جی.....!" ملازم نے بڑے ہینڈ بیگ کو دیکھا (اسے تو میڈم لوگ شانے پر لٹکاتی ہیں تب ہی تو اس نے دھیان نہ دیا)

"رکھ دیتا ہوں جی....." وہ بیگ لے کر گاڑی کی جانب گیا۔ نوال نے تھوک نگلا اور اخفش کو دیکھا جو فون پر مصروف تھا۔

"ہاں بس ہم نکل رہے ہیں..... بیس منٹ میں آپ لوگوں کو جوائن کرتے ہیں۔" وہ کیمپ جانے کے حوالے ہی سے بات کر رہا تھا۔

"اور ہاں نازک! میں نے تمہارے لیے ڈسپوزیبل برتن رکھے ہیں کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں وہاں برتن دھونے کی..... ٹھیک ہے۔"

"برتن دھونا میں خود پسند نہیں کرتی۔ آئی لو مائی نیلز..... اینڈ آل سو ہینڈز..... کتنی تو کیئر کرتی ہوں میں ان کی۔" نازک نے اپنے ہاتھ آگے پیچھے کر کے دیکھے اور دکھائے۔

"ہاں ہاں ماشاء اللہ۔" لیلیٰ بیگم نے ہاتھ کا بوسہ ہی لے لیا۔ اور ساتھ ہی ہوا سے اڑ کر مسلسل ڈسٹرب کرنے والی نازک کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا، نازک یوں کھڑی تھی جیسے چار سال کی اسکول جانے والی بچی صبح تیار ہوتے وقت ماں کے سامنے بے نیاز سا بت بن کر کھڑی رہتی ہے۔

نوال نے شدید پریشانی میں گھر کر اخفش کو دیکھا، وہ چوکیدار کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود اندر آرہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے مسکرا کر نازک کو دیکھا تھا اور گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

نانو جان ایک بار پھر نواسی کے کان میں جھکی کچھ کہہ رہی تھیں۔ (ہدایت نامہ) پھر اسے کمر میں ہاتھ ڈال کر گاڑی تک یوں لے کر جانے لگیں۔ جیسے رخصتی کے وقت دلہن کو سہارا دیا جاتا ہے اور اس خیال نے نوال کے رہے سہے ہوش بھی اڑا دیے۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا پھر سر پر پیر رکھ کے اندر بھاگی۔ اخفش اندرونی دروازے سے نکل کر گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نوال نے آدھے رستے ہی میں اس کا بازو پکڑا اور اس سے پہلے کہ کچھ سمجھتا، وہ اسے ایک آڑ میں کھینچ لے گئی۔

"ہم کام کرنے جارہے ہیں اخفش..... تم اس پھپھولا رانی کو کیوں ساتھ لیے جارہے ہو؟" نوال اس سے اچھا نام اور کیا رکھتی۔

"پھپھولا.....؟"

"ہاں ہتھیلی کا چھالا..... بلکہ ٹوٹی جوتی کو..... ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دے گی تمہیں اخفش!" نوال نے آنکھیں بسلط بھر پھیلائیں۔

"کون سی ٹوٹی جوتی؟" اخفش نے بے ساختہ اپنے نئے مضبوط جاگر دیکھے۔

"ارے!" نوال نے دانت پیسے "تمہارا جوتا نہیں کہہ رہی۔ اسے کہہ رہی ہوں تمہاری اس نازک بی بی کو۔"

"تم یہ سب نازک کے لیے کہہ رہی تھیں۔" اخفش کی آواز بے یقینی سے پھٹی تھی۔

"ہاں.....!" نوال بات سے پھرنے والی تھی ہی نہیں۔ کہہ دیا تو کہہ دیا۔ اب جان جاتی ہے تو جائے۔

"اتنی انسلٹ نوال..... کیا بگاڑا ہے اس بے چاری

نے تمہارا۔۔۔ تم نے یوں بیٹھے بٹھائے اتنا سب کچھ سنا دیا اسے۔"

"اسے نہیں سنایا۔۔۔ تمہیں بتایا ہے اور پوچھ رہی ہوں کہ کیا دماغ چل گیا ہے یا دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئے جو اس ناکارہ پرزے کو لے جا رہے ہو۔"

نوال کو یکدم احساس ہوا' وقت کم ہے اور اسے کسی بھی طرح اخفش کو باز رکھنا ہے کہ وہ یہ غلطی نہ کرے' ادھر اخفش کی جیسے اب سمجھ میں آیا اس کی تیوری چڑھ گئی۔

"دنیا میں کوئی چیز بے کار نہیں۔"

"یہ کار آمد چیز ہمارے کسی کام کی نہیں یا کم از کم اس کی وہاں ضرورت نہیں جہاں ہم جا رہے ہیں۔"

"تمہیں اعتراض کیا ہے؟" "تمہیں کوئی گود میں اٹھا کر نہیں لے جاتا اسے۔"

"فضول بات مت کرو اخفش! مجھے یہ بتاؤ یہ وہاں کرے گی کیا؟ تم نے اس کا سامان دیکھا ہے۔ لگتا ہے کوئی لینڈ لیڈی ویکیشن گزارنے شمالی علاقہ جات جا رہی ہے۔ اوپر سے گیٹ اپ اور اسٹائل۔۔۔ ہمیں اپنا سارا سامان خود کیری کرنا ہے اور وہ ہینڈ کیری تک کو گاڑی تک نہیں لے جا سکتی۔ ہمیں وہاں کام کرنا ہے۔ ہمارے ہاتھ بھی گندے ہوں گے اور منہ بھی کالے۔۔۔ سن بلاک کا کیا سوال۔۔۔ اللہ جانے نہانے کا بھی موقع ملے نہ ملے۔

اور ایک بیگ اس کے جوتوں کپڑوں کا ہے۔ تو دوسرا کھانے پینے کے سامان کا۔ ہم پکنک پر نہیں جا رہے اخفش انعام! وہاں ایسی لڑکی کا کیا کام جو ہر دن نیل کلر تبدیل کرتی ہے۔ اللہ جانے کیمپ میں زمین پر سونا پڑے گا۔ یا کھلے آسمان تلے۔۔۔ ہاں مچھر' مکھی' یہاں تک ٹھہرے پانی میں سانپ اور مردہ جانور تک بہہ آئیں گے۔ ہم متاثرین کو ریسکیو کریں گے یا تمہاری اس کزن کی ہائے اوئی سنیں گے۔"

"تم بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی ہو؟" اخفش کے منہ سے نکلا۔

"میں بڑھا نہیں رہی سمجھا رہی ہوں۔ اچھا چلو یہ بتا دو یہ وہاں کیا کرے گی۔ کس کیٹگری میں نام لکھوایا ہے اس کا؟" نوال نے اب صحیح سوال کیا تھا۔

"ریلیف کیمپ میں ایک اسکول بنایا گیا ہے' وہاں پڑھائے گی۔"

اخفش کا جواب مزید سوالات کو ختم کر گیا۔ ہاں' نازک وہاں پڑھانے جیسا کام تو کر ہی سکتی تھی۔ نوال' اخفش کے چہرے کو بغور دیکھتے چپ کر گئی۔ اخفش کی ہمت بڑھی۔

"انویسٹی گیشن مکمل ہو گئی ہو تو چلیں۔۔۔ پتا نہیں کچھ لوگوں کو یہ کیوں لگتا ہے۔ دنیا میں وہی ایک ہیں جو کار آمد ہیں یا یہ کہ دنیا تو بس ان ہی کے کندھوں پر کھڑی ہے۔"

اخفش نے بھڑاس نکالی ساتھ ہی ہاتھ میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔

"راستہ دو۔" اس نے بدتمیزی سے کہا۔

"ایک منٹ اخفش۔۔۔!" نوال نے پیچھے سے پکارا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے رکنا پڑا' لہجے کی سنجیدگی اور قطعیت بتاتی تھی نوال کے پاس اب بھی کوئی مدلل جواب موجود ہے۔

"میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں کہ اس بی بی کی وہاں ضرورت نہیں۔"

اخفش کی تیوری چڑھی۔

"ان فیکٹ ریلیف کیمپ میں کسی اسکول کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ یہ سب ڈھکوسلے بازی ہے۔ کچے کے جن علاقوں جھونپڑوں سے یہ لوگ اٹھ کر آئے ہیں۔ وہاں اول تو اسکول ہیں ہی نہیں۔۔۔ یا پھر عمارت تو ہے۔ مگر اسٹاف اور بچے دونوں ندارد۔۔۔ عمارت ٹوٹی ہوئی ہو گی یا پھر بہت ممکن ہے اس میں وڈیرے یا کسی بااثر شخصیت کے ڈھور ڈنگر باندھے جاتے ہوں گے۔

یہ سب نو بجے کے نیوز بلیٹن کا مسالہ ہوتا ہے۔ ریلیف کیمپ میں قائم اسکول ایک بلیک بورڈ رکھ کے بچوں کو بتا دیا اے ایپل۔۔۔ بی بیٹ۔۔۔

ریلیف کیمپ میں گڑیا کی شادی۔۔۔ کوئی بتائے فارغ

بچیاں یہی کام کریں گی ناں۔ اب وہ اسمارٹ موبائل پر گیم تو کھیلنے سے رہیں۔ ریلیف کیمپ میں منے کی پیدائش ہوئی، نام سیلاب خان رکھ دیا گیا۔ ہو نہ اتنا ہی درد دل رکھتے ہو۔ ان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے فکر مند ہو تو مستقل بنیادوں پر کام کرو ناں۔۔۔ یہ کیا چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات۔"

نوال نے دنیا کے بہترین مقرروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ طیش اور جذبے سے رنگت میں سرخی نمایاں ہو گئی تھی۔ اس نے اخفش کو سنانے کے بہانے بھڑاس نکالی تھی نجانے کس کس کی اور کب کب کی۔۔۔

"اور سب سے بڑھ کر تقریر کے اختتام پر پھر ایک سوال اخفش کے منہ پر مار دیا اور اخفش ساکت و جامد رہ گیا تھا کہ نوال ضمیر خان چیز کیا ہے؟"

قلندری، شوخ (چھچھوری۔۔۔ دل ہی دل میں یہ نام بھی رکھا تھا۔ بڑی تسکین ملتی تھی) یا پھر۔۔۔ واقعی ایک شاندار انسان۔۔۔ (شاندار لڑکی) وہ کتنی حساس تھی اور کتنی درد مند۔۔۔ بظاہر ہلکی۔۔۔ اندر سے گہری۔۔۔ سمندر سے بھی زیادہ۔

اخفش نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر پھر خود ہی منہ بند کر لیا۔ نوال نے لمبا سانس لیا۔

"مجھے نازک سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے اخفش! مگر تم میری باتوں کے تناظر میں دیکھو تو سہی۔۔۔ ہم ہمالیہ سر کرنے نہیں جا رہے کہ سامان، خوراک، لباس کے لیے پورٹر ہائر کریں گے۔ ہمیں دوسروں کو بچانا ہے ان لوگوں کو جو بڑے لوہے کے کڑاہے میں بیٹھ کر دریائی زمین کو پار کرتے ہیں، کندھے پر بوڑھے باپ کو بٹھا لیتے ہیں۔ گود میں شیر خوار پکڑتے ہیں اور پھر نکلتے نکلتے بکری کے ہراساں ممیاتے بچے کو بھی بغل میں جکڑ لیتے ہیں اور تم میری باتوں کو منفی لیتے ہوئے پریکٹیکل اخفش انعام۔۔۔"

نوال کا لہجہ بھر آیا تھا۔ جذباتیت سے گزرتا مضبوطی کی سرحد سے گزر گیا۔ اور اخفش انعام ششدر رہ گیا تھا۔

حساس سی یہ لڑکی جسے وہ چار سالوں سے جانتا تھا۔ مگر شاید وہ اسے بالکل نہیں جانتا تھا۔ اک مزید عمر کی ضرورت تھی نوال ضمیر کو جاننے کے لیے۔۔۔

"تم نازک کو ضرور لے کر جاتے مگر اسے یہ بھی تو بتاتے۔ کہاں جا رہے ہیں؟ کیوں جا رہے ہیں؟ وہاں کی ساری سچویشن سمجھاتے۔ اسے اپنی نانو جان کی نہیں تمہاری انسٹرکشنز کی ضرورت تھی اور وہ اتنی ایکسائیٹڈ ہے کہ وہ اگری کرتی مگر تم نے۔۔۔ افسوس۔" نوال نے سچ مچ تاسف سے گردن جھٹکی۔ "مجھے بتا دیتے تو میں سب مینیج کر لیتی مگر مجھ سے تو خیر تمہیں۔" نوال نے قصداً" بات ادھوری چھوڑ دی اور کار پورچ میں چلی گئی۔ جہاں سب اسے اور اخفش کو ڈھونڈ رہے تھے۔

"کہاں رہ گئے تھے تم دونوں؟" نورین نے اس سے پوچھا، پیچھے آتا اخفش بھی خود کو نارمل کرتا نظر آ گیا تھا۔

"کہیں نہیں۔" نوال نے چہرے کو بحال کیا۔ "کیمپ انچارج کی کال تھی۔ ان سے بات کر رہے تھے۔"

اخفش نے بھی سر ہلا دیا۔ سب انہیں رخصت کرنے کھڑے تھے اور اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

"چلیں اب!" نوال، زینت بیگم سے مل کر اخفش کی جانب متوجہ ہوئی اور پھر اس نے اخفش کی نگاہوں کے تعاقب میں نازک اندام کو دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

وہ اگلی سیٹ پر براجمان اپنے سر پر تنکوں والا ہیٹ درست کر رہی تھی اور ذرا سی گردن گھما کر کار کے شیشے میں یہ بھی جانچ رہی تھی کہ ہیٹ میں کیسی لگ رہی تھی۔ نگاہیں نوال سے ٹکرائیں پھر اخفش سے تب اشارے سے پوچھ بھی لیا۔ کیسی لگ رہی ہوں۔ اخفش تو ساکت سا تھا۔

نوال ہی نے انگوٹھے اور انگلی کا سرکل بنا کر ویل ڈن کا اشارہ دیا۔ ساتھ ہی اک نگاہ اخفش پر ڈالی اور پچھلی نشست پر بیٹھنے کے لیے آگے آ گئی۔

لیلیٰ بیگم پھر اندر سے کچھ لیے آ رہی تھیں یہ جوس کا لیٹر پیک تھا۔

"راستے میں پینے کے لیے۔۔۔" نوال نے صبر کے گھونٹ پی کر یہ منظر دیکھا۔ لیلیٰ بیگم اب سنجیدہ تھیں۔ (شاید رخصتی کا خیال آ)

٭٭٭

لیلیٰ بیگم چھت پر ٹہل رہی تھیں۔ مگر یہ ہوا خوری نہیں تھی۔ پریشانی، الجھن، ادھیڑ بن کی کیفیت۔۔۔ جو کچھ سوچ رہی تھیں وہ الجھے دھاگے کی طرح تھا سرا ہاتھ آ ہی نہ رہا تھا۔

جو کچھ لیلیٰ بیگم جاننا چاہ رہی تھیں۔ اس کے لیے کون سب سے موزوں ہو سکتا تھا۔ کون۔۔۔ کون؟

لیلیٰ بیگم دوبارہ کرسی پر بیٹھیں اور پیشانی مسلنے لگیں۔ بھوک تو پہلے ہی اڑ چکی تھی۔ اب سر دکھنے لگا تھا۔ آنکھیں موند لیں۔

"مجھے بھی لے کر جا سکتی تھیں۔ میں اخفش بھائی جان سے زیادہ ہی کام کرتا۔" یہ رندھی آواز کا شکوہ بے خود خان کا تھا۔

"تمہارا شناختی کارڈ نہیں بنا بچے ابھی!" زینت بیگم کا لہجہ محبت سے بھرپور تھا بے خود کو پچکار رہی تھیں۔ (لیلیٰ بیگم کے کان کھڑے ہو گئے وہ کرسی سے اٹھ گئی تھیں)

"یہ سب بہانا ہے۔ ایک بار نوال باجی کہتی تو۔۔۔ میں سب کام کر سکتا ہوں۔"

"مرد ہو کر روتے ہو بے خود!" زینت بیگم نے بے خود کی دکھتی رگ پکڑنے کی کوشش کی مگر یہاں تو الٹا اثر ہوا وہ مزید رویا اور روتا چلا گیا۔

"کوئی نہیں ہوں میں مرد۔۔۔ میں بچہ ہوں۔" بے خود واقعی صدمے میں تھا۔ ورنہ اسے خود کو سات برس کی عمر ہی سے مرد کہلوانے کا شوق تھا، اب تو خیر سے پندرہ کا سن چل رہا تھا۔

"ہاں تو پھر بچوں کا کیا کام؟" زینت بیگم نے بات ختم کر دی۔

"آں۔۔۔ بھاں۔۔۔" بے خود نے ششدر ہو کر انہیں دیکھا اور نہایت بے سری تان اڑائی۔ زینت بیگم صبر سے لے کے مکمل ہونے کا انتظار کرتی رہیں۔

"مجھے نوال باجی پر کوئی شک نہیں۔۔۔ وہ تو مجھے لے کر جانا چاہتی ہوں گی۔" بے خود نے آواز متوازن کر کے کہنا شروع کیا۔ "ہو نہ ہو یہ اخفش بھائی جان کی چال ہے۔ انہیں میں پسند ہوں ہی نہیں۔"

"وہ تمہیں میری وجہ سے چھوڑ کر گئی ہے بے خود!"

"آپ کی وجہ سے؟"

"ہاں۔۔۔ کہہ رہی تھی، اسے اپنے بعد میرا خیال رکھنے کے لیے اگر کسی پر بھروسا ہے تو وہ صرف تم ہی ہو۔۔۔ لیکن تمہیں میری فکر ہے ہی نہیں۔۔۔ میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتے۔" زینت بیگم کے لہجے میں افسردگی گھل گئی۔

"نہیں تو۔۔۔" بے خود سارا رونا دھونا بھول گیا۔ "کوئی نہ بھی کہے، میں تب بھی خیال رکھتا ہوں۔۔۔ اور اگر نوال باجی نے ایسا سوچا ہے تو بس پھر ٹھیک ہے۔ سب شکایت ختم ہو گیا۔" بے خود ایسے پر سکون ہوا جیسے کبھی بھڑکا ہی نہ ہو۔

"چلو پھر اب تم کھانا کھا لو اور شکل درست کرو۔"

"آپ بھی آ جائیں، نیچے چلتے ہیں۔ آپ نے اپنا میڈیسن کھا لیا؟"

"کیسے کھاتی۔ کسی نے دی ہی نہیں۔۔۔" زینت بیگم کا لہجہ لاچاری لیے ہوئے تھا۔

"ایسے کیسے نہیں دی اور کس نے دینی ہے۔ میں دوں گا، ابھی دوں گا۔ اگر کل کو نوال باجی نے پوچھ لیا کہ بے خود خان تمہیں تو نانو کا خیال رکھنا تھا۔"

بے خود کی کوئی بھی بات گھوم پھر کے نوال کی کسی بات پر ہی آ کر رکتی تھی، دونوں کی آوازیں معدوم ہونے لگیں۔ تب دوسری جانب سانپ سونگھتی کیفیت میں سنتی لیلیٰ بیگم دبے قدموں درمیانی دیوار تک آ گئیں۔

زینت بیگم بڑھاپے کے باعث نپے تلے دھیمے قدم اٹھاتی آگے جا رہی تھیں اور پندرہ برس کا گورا چٹا پٹھان بچہ بے خود خان بہت احترام اور صبر کے ساتھ

ان پر نظر رکھے ہوئے تھا کہ خیریت سے اتر جائیں۔
تو یہ تو ملازم بچہ تھا۔۔۔ چوکیدار کا پوتا۔۔۔ مگر حیثیت ملازم والی نہیں تھی۔ گھر کے فرد کی طرح کے لاڈ اٹھا رہی تھیں زینت بیگم تو نوال کے بارے میں جاننے کے لیے سب سے بہتر بندہ بے خود خان تھا۔
صوفیہ بیگم نے بتایا تھا۔ اخفش کے لیے اشتیاق احمد اور اخطب کی اولین پسند نوال تھی۔ مگر اخفش نے منع کر دیا۔ نوال نے بھی کر دیا لیلیٰ بیگم کے لیے یہی سوچنے کا مقام تھا۔
جب نوال نے منع کر دیا تو پھر ان کی نواسی نازک اندام کے لیے وہ اخفش کو بھڑکا کیوں رہی تھی۔ بلکہ متنفر کرنے کی کوشش۔

☆ ☆ ☆

"نوال باجی کو اخفش بھائی پسند ہے ہی نہیں۔۔۔" یہ بے خود کا قطعیت سے بھرپور کسی قدر حقارت لیے لہجہ تھا۔ اور یہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں بھی اب اس کو پسند نہیں کرتا۔" بے خود نے ناگواری سے چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا۔
"اچھا۔۔۔" لیلیٰ بیگم کا اچھا بولنے پر اکسا تا ہوا تھا۔
"وہ تنگ نظر ہے اور جو تنگ نظر ہوتا ہے' وہ دل کا بھی تنگ ہو جاتا ہے۔"
یہ سنہری قول یقیناً نوال کا تھا جو بے خود نے منہ زبانی یاد کر رکھا تھا۔
"تو یہ بات اخفش جانتا ہے۔" لیلیٰ بیگم کو ہر صورت وہ رائے معلوم کرنی تھی جو اخفش کی تھی۔
"ہاں تو نوال باجی کوئی بات چھپاتی تھوڑی ہے۔ جو اس کے دل میں ہوتا ہے' وہ منہ سے بولتی ہے۔ نوال ضمیر خان منافقت نہیں کرتی۔" آخری جملہ پھر نوال کا فرمان تھا۔
"دراصل نوال باجی صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہتی ہے اور جو وہ کہتی ہے وہ ہمیشہ درست ہوتا ہے۔"
لیلیٰ بیگم نے پہلو بدلا۔ ابھی کل ہی تو نوال کی صحیح اور غلط رائے نازک کے بارے میں سنی تھی اور اب تک بدہضمی کی شکایت تھی نہ جانے کیسے رفع ہوتی؟
"اخفش بھائی کسی کو اپنے آگے کچھ نہیں سمجھتا اور لڑکیوں کو اوہ۔۔۔ اس کا بس چلے تو لڑکیوں کو ڈبے میں بند کر دے۔"
"ڈبے میں۔۔۔" لیلیٰ بیگم کے کان کھڑے ہوئے (شاید خیال آیا ہو وہ جو اخفش اور نازک کو اکٹھا سوچ رہی ہیں تو اگر اخفش نے نازک کو ڈبے میں بند کر دیا تو؟ اور نازک کے لیے ڈبا۔۔۔ اونہوں۔۔۔ ڈبا تو نہیں کارٹن درکار ہو گا۔۔۔ کارٹن بھی کون سا ڈیپ فریز والا ناں۔۔۔ اف)۔
"یہ اخفش نے کہا کہ کارٹن میرا مطلب ہے ڈبے میں بند کرنے کا؟"
"نہیں۔۔۔ نہیں نوال باجی کہتی ہے۔"
"اچھا اچھا۔۔۔ تو یہ نوال کی رائے ہے۔" کچھ ہراساں لیلیٰ بیگم نے سکون کا سانس لیا۔
"تم بہت پسند کرتے ہو اپنی نوال باجی کو۔۔۔؟"
"ہاں۔۔۔ کیونکہ وہ ہے ہی پسند کے قابل۔۔۔" بے خود نے تقریباً" اچھل کر کہا۔
"ان کو سب ہی پسند کرتے ہیں۔ نوال باجی نے بڑی بیگم صاحبہ اور نوین باجی کو سمجھایا پھر نوین باجی اور اخطب بھائی جان کی شادی کروادی۔ ایسا کام جو کسی سے بھی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس نے ایک منٹ میں کر دیا ایک منٹ میں۔۔۔ نوین باجی اور خاص طور پر بھائی جان تو ان کا مرید ہے مرید۔۔۔ صوفیہ دادی جان کو وہ ساری دنیا کی لڑکیوں سے اچھی لگتی ہے۔
اخفش بھائی جان کے دادا جان۔۔۔ وہ تو نوال باجی کو سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ لیکن میرے سے تھوڑا کم میں تو جان قربان کر سکتا ہوں۔ وہ میری بہن جیسی ہے میری ٹیچر ہے۔ میری ماں جیسی۔۔۔ میری۔۔۔"
بات بے خود پر آگئی تھی۔ اب کیسے چپ ہو مگر لیلیٰ بیگم کی الجھن کا ایک آخری دھاگہ باقی تھا۔ کسی قدر بے تابی سے بے خود کو ٹوک دیا۔
"اور اخفش۔۔۔ وہ بھی تو پسند کرتا ہو گا ناں نوال کو۔۔۔ میرا مطلب ہے جب وہ اتنی ہرفن مولا یعنی قابل

ہے۔ لائق فائق بھی۔۔۔"

"اونہوں۔۔۔" بے خود نے ناک پھلائی۔۔۔ آنکھیں سکیڑیں۔

"اخفش بھائی تو جلتے ہیں نوال باجی سے۔۔۔ صاف بات اگر کہوں ناں تو جتنی نفرت باجی کرتی ہے۔ اس سے زیادہ بھائی جان کرتا ہے۔" بے خود نے صاف گوئی سے کہا۔

"مگر میں تو کہتا ہوں۔" اس نے رازدارانہ انداز سے اردگرد دیکھا اور لیلیٰ بیگم کی طرف جھک آیا "میرے کو تو وہ پورا پاگل لگتا ہے۔ جب ہی تو۔۔۔"

بے خود نے بات ختم ہی کر دی گویا، لیلیٰ بیگم نے مسکرا کر تائید کی ذہن ہلکا پھلکا جو ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

صورت حال اس سے زیادہ خراب تھی جتنی میڈیا پر دکھائی جا رہی تھی۔ بے سرو سامان لوگ پانی کے اترنے کے منتظر تھے۔ مگر اس کا کیا کیجیے کہ پانی اترنے سے پہلے مزید پانی کا ریلا آ جاتا اوپر سے مسلسل ہوتی بارش۔۔۔ رحمت کی در پر نقطہ لگ گیا تھا اور کسی ربر کے مٹانے سے مٹتا نہیں تھا۔ (یا الرحم الرحمین۔۔۔)

بارش بھی رک جاتی پانی بھی نکل جاتا مگر اس انتظار کے درمیانی وقفے میں یہاں پناہ گزیں انسان۔۔۔ اپنے بچے کھچے سامان اور مال مویشی کے ہمراہ بیماریوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ ایک آسمانی آفت۔ ایک جسمانی کمزوری۔۔۔ رنگ رنگ کی بیماریاں اسہال، بخار، پھنسی پھوڑے، خارش اور نزلہ کھانسی تو ساتھ ساتھ تھی۔

نوال اور اخفش کی ٹیم آرمی کے ہمراہ جب پہنچی تب یہاں پہلے سے موجود فلاحی تنظیم ہاتھ پر ہاتھ دھرے خود امداد کی منتظر بیٹھی تھی۔ راستے بند ہو گئے تھے کہ واحد سڑک سیلاب میں بہہ گئی۔ ان کے پاس موجود سامان، خوراک اور دوائیاں ختم ہو چکی تھیں اور ان میں سے کئی کارکن خود بیمار ہو چکے تھے۔

تازہ دم آنے والی اس ٹیم نے سب سے پہلے تو انہیں روانہ کیا اور پھر خود کام میں جت گئے۔

اور یہاں کام کے لیے جسمانی مشقت کے ساتھ ساتھ، ذہنی مشقت کی بھی ضرورت تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا ابتدا کہاں سے کی جائے؟

واحد سرکاری ہسپتال کے بیڈز تک پانی میں تیر رہے تھے۔ باقی سامان کا تو ذکر ہی کیا؟ سب سے بڑا مسئلہ پانی تھا۔ جہاں پانی تھا تو پانی تھا اور جہاں نہیں تھا وہاں کیچڑ تھی۔۔۔ اور کیچڑ میں بہت کچھ تھا۔

سب کے لیے یہ صورت حال حیران کن تھی۔ مگر اس کیفیت سے نکلنے کے بعد سب کام میں جت گئے تھے۔ ہاں ایک انسان تھا جس کی حیرت جاتی ہی نہیں تھی اور وہ تھی نازک اندام۔۔۔

کہاں گئے وہ کھیت۔۔۔ وہ سبزے کی چادر، مٹی کی خوشبو۔۔۔ درختوں پر لگی پینگ اور مٹیاریں؟

کھیت پانی میں بہہ گئے اور سبزے کی چادر نہ جانے کہاں گئی مٹی کی خوشبو کا تو ذکر ہی کیا؟ سیلن بھرا ٹھہرا پانی۔۔۔ ناگواری سی ناگواری اور پر تیر کر آتے مردار۔۔۔ گائے، بکری، بلی، کتا اور رہے درخت۔

درخت کی جس شاخ پر جس کو جگہ مل گئی اس نے وہیں ٹھکانا بنالیا۔

سرکاری اسکول کی عمارت میں بھی پانی بھرا تھا۔ مگر وہ ذرا بلندی پر واقع تھا۔ سو پہلے مرحلے پر اس کا پانی نکالا گیا اور اسے قابل استعمال بنا کر تین چوتھائی حصے میں عورتوں بوڑھوں اور بچوں کو ٹھہرایا گیا۔ جبکہ ایک حصہ ٹیم کے ارکان کو دے دیا گیا۔

دن بھر کی تھکی نوال نے ایک نعرہ بلند کیا اور زمینی بستر پر اس شاہانہ انداز سے نیم دراز ہوئی جیسے ملکہ تاج پوشی کے بعد تخت نشین ہوئی ہو۔ جبکہ دوسری جانب نازک اندام کی چیخ نے سب کو نوال سے غافل کیا۔

"ہم یہاں سوئیں گے اخفش۔۔۔؟"

"ہم نہیں تم۔۔۔ یہ تمہارا بستر ہے۔" اخفش نے ہم کی تصحیح ضروری سمجھی۔

"او۔۔۔ ایس میں اپنی ہی بات کر رہی ہوں، میں کبھی زمین پر نہیں سوئی۔"

"یہ محمدی بستر ہے مس نازک!" کسی لڑکی نے کہا۔
"مگر یہ بہت سخت ہے۔" نازک کو اپنا اسپرنگ میٹرس یاد آرہا تھا۔ اور پھر اس فلور کی صفائی بھی۔"
"سب سے اچھا والا کمرہ گرلز کو دیا گیا ہے نازک!" اخفش نے بتانا ضروری سمجھا۔
"زمین پر سونے سے ریڑھ کی ہڈی سیدھی رہتی ہے اور انسان کو اپنی اوقات بھی یاد آجاتی ہے۔" یہ محمدی بستر کہنے والی دینی رجحان کی حامل لڑکی تھی۔
"آپ جانتی نہیں تھیں مس نازک!... یہاں کسی بھی قسم کی سچویشن کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔" یہ ینگ ڈاکٹر تھی۔
"نہیں... مجھے تو بس بچوں کو پڑھانا تھا۔" نازک نے اخفش کو دیکھا۔
"اوئے...!" سب لڑکیاں ہنس دیں۔ "تو کیا چوبیس گھنٹے پڑھائیں گی؟ ابھی رات ہے۔ سو جائیے' صبح اسکول لگے گا۔" کسی نے پچکارنے والے انداز سے کہا۔
نازک نے اخفش کو دیکھا۔ جب سے آئے تھے کام میں لگا تھا۔ تکان اس کے چہرے سے عیاں تھی۔
نازک کی سوالیہ نگاہوں پر شانے اچکا کر رہ گیا' نازک نے باقی سب لڑکیوں کو دیکھا۔ ایک لڑکی نماز کے لیے جائے نماز بچھا رہی تھی۔ ایک اور ڈاکٹر اپنی انگلی پر سنی پلاسٹ لگا رہی تھی۔ ایک دوسری ڈاکٹر سرسوں کا تیل اپنے ہاتھوں پیروں پر مل رہی تھی' کچھ ایسی تھیں جو اخفش کے جانے پر دروازہ بند ہونے کی منتظر تھیں۔
اخفش نے ذرا چور نظروں سے نوال کو دیکھا۔ اس نے بیگ سے ایک بے حد موٹا سرخ سرخ سیب برآمد کیا تھا اور اسے اپنی شرٹ کے دامن سے رگڑ کر صاف کیا تھا۔ نوال نے مقدور بھر جبڑا کھولا اور ایک بڑا ٹکڑا منہ کے اندر... ساتھ ہی اسے مزہ آیا۔ مزے دار...
اخفش کی نگاہوں کے تعاقب ہی میں نازک بھی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے یک دم بھوک کا احساس ہوا۔
"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ میں مینیج کر لوں گی۔" بھوک حاوی ہونے لگی تھی۔

اخفش باہر نکل گیا۔ ایک لڑکی نے اٹھ کر دروازہ بند کرلیا۔ نوال اب لیٹ کر سیب انجوائے کر رہی تھی۔
نازک نے بھی اپنا بیگ کھولا۔ تھیلیوں کے کڑکڑانے کی آواز نے سب کو متوجہ کیا۔ یہ چپس کا جمبو پیک تھا۔ پیٹ بھرنے لگا تو غنودگی چھانے لگی۔ پیکٹ ابھی آدھا ہی ہوا تھا کہ وہیں لڑھک گئی۔
دن بھر کی تھکی ماندی لڑکیاں... اتنا لمبا سفر طے کر کے آئی تھیں اور لیٹتے ہی غافل ہو گئیں۔
نوال سب سے پہلے لڑھکی تھی۔ مگر اس کو عجیب سا احساس ہوا تو آنکھ کھل گئی "اوہ... نازک... وہ نیند اور تھکاوٹ کے زیر اثر تو تھی' مگر بستر کی بے آرامی اسے سونے نہیں دے رہی تھی' نوال اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے ترس سا آنے لگا۔ بے چاری شوق شوق میں کدھر آ نکلی۔ نازک ہلکا سا کراہتی بھی تھی۔ نوال کچھ سوچتے باہر نکلی۔
سناٹا... مینڈکوں اور جھینگروں کی آوازیں... پانی کی بو اور کن من برستا پانی... اخفش و دیگر برآمدے ہی میں یہاں وہاں پڑے تھے۔
"اے اخفش... ہیلو اخفش...!" نوال کو ذرا دقت نہ ہوئی اسے پہچاننے میں' تین ٹانگوں والی چارپائی پر وہ چت پڑا خراٹے بھر رہا تھا۔ چوتھی ٹانگ اینٹوں کی تھی۔ جب آواز کا اثر نہ ہوا تب نوال نے چارپائی کو ایک ٹھوکر رسید کی۔ اخفش ہڑبڑا کر اٹھا اور بمشکل چیخ روکی۔ (وہی گھنگھریالا جنگل نوال کے حسن پر ذرا شک نہیں مگر نیند سے ہڑبڑائے بندے کو وہ چڑیل ہی دکھائی دے سکتی تھی)
"کیا ہے؟" اخفش خوف زدہ ہوا ہے یہ بات ظاہر نہیں کرنی تھی لہٰذا وہ دبنگ لہجے میں بولا تھا۔
"اسے فرش پر نیند نہیں آرہی۔"
"کس کو؟" وہ نیند میں تھا۔
"نازک کو..." نوال نے دانت پیسے۔
"میری منجی لے جاؤ۔" وہ نیند ٹوٹنے پر بدمزہ تھا۔
"ناٹ بیڈ آئیڈیا... مگر تین ٹانگ کی منجی۔ وہ وزن میں تم سے زیادہ ہے ناں؟"

"تم رات کے اس پہر اس کی خرابیاں گنوانے آئی ہو؟"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں۔۔۔" نوال نے ناگواری سے کہا۔ "میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ جسے لائے ہو تم۔۔۔ اور اچھی طرح واقف ہو کہ یہ سب وہ مینیج نہیں کر سکے گی۔ سو پلیز۔"

نوال کا لہجہ فکر مند ہو گیا۔ وہ واقعی نازک کو اس تکلیف سے نکالنا چاہتی تھی۔ اور اخفش کو بھی اندازہ ہو گیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کیا کرے۔۔۔

"اوہ" اس نے یکدم اپنی چارپائی پر بچھا گدا اٹھا کر نوال کی طرف بڑھایا۔

"یہ بھی ۔ بچھا دو۔ تھوڑا بہت فرق تو پڑے گا ہی نا۔"

"ہاں۔۔۔!" نوال خوش ہو گئی۔ گدا ہلکا پھلکا سا تھا مگر اس میں بدبو آ رہی تھی۔ مگر نوال نے مزے سے اٹھا لیا۔

"ویسے ایک بات ہے۔" وہ جاتے جاتے مڑی انداز شریر تھا۔

"مرد اتنے کیئرنگ ہوں تو اچھا لگتا ہے۔ مجھے نہیں اندازہ تھا کہ تم اندر سے اتنے سوفٹ ہو۔"

یہ تعریف ہی تھی۔ مگر اخفش نے بدگمانی کی عینک پہن رکھی تھی سو نوال کو بری طرح سے گھورا۔

"سو رومینٹک!" نوال نے آنکھیں میچیں اور اندر غائب۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح بہت جلدی ہو گئی۔ آج باقاعدہ کام کا آغاز تھا۔ مختلف کاموں کے لیے ٹیمیں بنا دی گئیں۔ سب سے اہم مسئلہ بیماریاں تھیں۔ مریضوں کو سارا دن اٹینڈ کرنا پڑتا۔ ایک جاتا نہیں کہ دوسرا آ جاتا۔

کسی وزیر با تدبیر نے ہیلی کاپٹر سے راشن کے تھیلے پھینکے۔ آدھے گرے پانی میں اور باقی ماندہ کے لیے لوگ یوں بھاگے کہ ایک دوسرے کو کچلتے چلے گئے۔ چند ایک آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ دے مکے پہ مُکا،

لات کھینچ کر گرا دیا۔ گریبان تار تار کر دیا۔ چہرے پر خراشیں ڈال دیں۔

ہر انسان میں جانور بستا ہے۔ تھوڑا انسان ذرا سا گدھ۔۔۔ کچھ کتے، کچھ بلے۔۔۔ کچھ بھیڑ سے ممیاتے انسان۔ کچھ شیر سے دھاڑتے۔ کچھ اونٹ سے کینہ پرور۔ کچھ لومڑ سے مکار۔۔۔ کچھ کوے سے موقع پرست۔ کچھ کبوتر جیسے بزدل۔۔۔ کچھ الو۔۔۔ کچھ الو کے پٹھے۔

یہ انسان بھی ناں۔۔۔ چولا پہن کر گھومتا فریبی۔۔۔ کھوٹا لگائے بہروپیا ذرا جو وقت پڑے تو بتاتا ہے، دراصل ہے کیا؟ اور پھر بھوکے سے تحمل کی امید۔۔۔ مفلس سے دریادلی۔۔۔؟ وہ کوئی اور لوگ ہوتے ہیں چیدہ چیدہ۔ یہ سب تو عام انسان تھے۔ لٹے پٹے اور اب زخمی بھی۔۔۔ ہاتھ بھی کچھ نہ آیا، الٹے زخم اور ٹیسیں۔۔۔

ڈاکٹرز کو سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔

سامان کم تھا اور ضرورتیں بہت زیادہ۔

جسمانی زخم بھی مرہم چاہتے تھے اور دلی زخم بھی۔۔۔

اب یہاں جسم کا علاج تو شاید تھا دل پر مرہم کیسے لگے؟

"میری پوتی کے جہیز کی پوری پیٹی بہہ گئی۔" بوڑھی اماں ہاتھ ملتی تھی اور پھر یادداشت پر زور دے کر انگلی کی پوروں پر گنتی کر کے سامان گنواتی۔

"شنیل کی رضائیاں۔۔۔ ڈبل پلائی کا ایک کمبل باہر سے منگوایا تھا۔ باقی بستروں کے لیے کپاس خریدی تھی۔ بارش پڑنے سے ایسی بیٹھی جیسے پانی کی تہہ میں پتھر بیٹھتا ہے۔ ہیں ڈاکٹر صاحب! ان فوجی بھائیوں سے کہو، میری پیٹی ڈھونڈ دیں۔"

اب ڈاکٹر صاحب کیا جواب دیں۔ ابھی تو اپنا نیا خطاب ہی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

دراصل نوال یہاں آتے ہی خود بخود ڈاکٹر صاحب ہو گئی تھی۔ وہ بی پی اور شوگر چیک کرنا جانتی تھی۔ بخار چیک کرتی۔ مرہم پٹی تو کرتی ہی تھی اور جب ایک روز رش بہت زیادہ ہو گیا تب اس نے نسخہ بھی تجویز کرنا شروع کر دیا۔

ساتھ ہی وہ بیماروں کی دل داری بھی کرتی تھی۔ چند دنوں میں ہر دل عزیز ہو گئی۔ عورتوں کے گروپ اسے گھیر کر بیٹھ جاتے اور نجانے کون کون سے قصے بیان کرنے لگتے۔ یہ بھی پوری دلچسپی سے سنتی۔

دوسری طرف اخفش بھی بے پناہ مصروف تھا۔ دیگوں میں کھانا بنتا سامان کا حساب کتاب.... پر اس سے مشکل مرحلہ تقسیم کا تھا۔ اخفش کے اندر تحمل کا مادہ زیادہ تھا (وہ تو بس نوال کی حرکتوں پر بھڑک جایا کرتا تھا ورنہ وہ بہت باحوصلہ جی دار اور ہر طرح کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی صلاحیت و ہمت رکھتا تھا۔ کیسا بھی طوفان ہو۔ وہ دیوار بن جانے کی ہمت رکھتا تھا۔ جھیل سکتا تھا)

مگر.... مگر یہاں آکر عجیب بات ہوئی۔ نوال سے ٹکرار کا موقع تو مل ہی نہ پاتا وہ الگ گروپ میں تھی۔ اور کام بہت زیادہ تھا۔ چلتی پھرتی مگن دکھائی دے جاتی تھی۔ مگر اس بار اگر کوئی بندہ.... مطلب بندی' اخفش انعام کو تیلی پر چڑھا رہی تھی تو وہ تھی نازک اندام....

اخفش کے صبر کا ایسا کڑا امتحان.... ضبط کی ایسی شرط....

اور سب سے بڑھ کر وہ کچھ کہہ نہیں پاتا تھا جبکہ یہاں باقاعدہ سنا دینے والا معاملہ تھا۔ اخفش کو پہلی بار احساس ہوا کہ بہت کچھ کہنے کی خواہش کے باوجود چپ رہنا صبر کی کتنی بڑی قسم ہے۔ تحمل کا مطلب سمجھ آنے لگا۔ مروت کے معنی کھل گئے' برداشت کا لفظ بولتے میں جبڑے پر زیادہ دباؤ پڑتا ہے۔

یا برداشت کرنے میں ایک ایک ہڈی آپس میں ٹکرا جاتی ہے۔ اب بتاؤ۔

☼ ☼ ☼

"درخت کے نیچے اسکول...." نازک چلاتی تھی۔ ایک تختہ سیاہ کے ساتھ کرسی تھی اور اشتیاق سے منہ کھول کر بیٹھے بچے.... ان میں سے کچھ تھے جو اسکول جاتے تھے اور پچھلا بستہ بہہ جانے پر نئی کتابیں پاکر بے پناہ خوش تھے۔ اچھل اچھل کر بتانا چاہتے تھے۔ وہ کتنا کچھ پڑھنا جانتے ہیں۔ کچھ بچے جنہوں نے پہلی بار کتاب کو چھوا تھا۔ وہ کتاب کو الٹ پلٹ کر کے دیکھتے تھے اور بچوں کا یہی اشتیاق و جوش ٹیچر کے لیے ناگواری کا باعث تھا۔

وہ ہر بات کی شکایت لے کر اپنی امی.... مطلب.... اخفش کے پاس آجاتی' اخفش کہیں بھی ہے۔ کچھ بھی کر رہا ہے۔ پہلے نازک کی بات سنے۔

دراصل.... نازک ایک شکایتی ٹٹو ثابت ہوئی تھی۔ اور ہر بار داد رسی کے لیے اخفش کا در کھٹکھٹاتی تھی۔ اور اس میں دن رات کی تخصیص نہیں تھی۔

"یہ بچے یونی فارم نہیں پہنیں گے اخفش....؟"

"اور نہ منہ ہاتھ دھوتے ہیں۔ بس آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ پڑھتے کم ہیں' کھی کھی زیادہ کرتے ہیں۔ ایکچوئیلی مجھے لگتا ہے یہ اپنی اسٹڈیز کو لے کر سیریس ہیں ہی نہیں۔"

"لائن بنا کر کھڑے ہونے تک کا نہیں پتا.... اور کل تو دو لڑکے صرف قیص پہنے آکر بیٹھ گئے تھے اخفش...."

"کیا.... قیص؟"

"قیص نہیں صرف قیص۔" نازک نے آنکھوں کو بساط بھر پھیلایا "اور میں نے کہا کہ چلو بھاگو' پورے کپڑے پہن کر آؤ تو ایک بولا ہیں ہی نہیں.... دوسرے والا اپنی چدر کے دوپٹے سے لنگی باندھ کر آگیا۔"

اخفش نے تھوک نگلا اور اس دیوار کی تلاش کی' جس سے سر مار کے جان دے دے (ویسے دینے کے بجائے یہ جان لینے کا مقام تھا) اخفش کے پاس کھڑے فوجی جوان بغلوں میں منہ دے کر مسکراہٹ چھپانے کی سعی کرنے لگے۔ مگر ایک آدھ کی ہنسی نکل ہی گئی اور اخفش کو شدید خفت میں مبتلا کر گئی۔

(دماغ نے کام نہیں کیا.... دیوار نہیں ملی تھی تو پانی میں ڈوب مرتا۔ چلو بھر کی شرط بھی نہیں تھی۔ چاروں طرف پانی ہی پانی....)

پھر ہر بات میں ہائی اوئی.... اور حیرانی۔

سینئر ڈاکٹر لیفی نے کچھ ایڈمٹ بچوں کو دوا پلانے

کا کام دیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اسے گھن آ رہی
تھی۔
"میں تو صرف بچوں کو پڑھانے کے لیے آئی
ہوں۔"
"یہ کیا بات کر دی۔ کیمپ کے ہر ممبر کو کوئی بھی کام
دیا جائے' وہ کرنا پڑے گا' یہاں ورکرز کم ہیں' ضرورت
بہت زیادہ کی۔ اس لیے ہر شخص ہر چیز میں انوالو ہے
آپ کیسے خود کو علیحدہ رکھ سکتی ہیں۔"
ڈاکٹر فیضی کی صاف گوئی پر نازک نے دوا کی شیشی
پکڑ تو لی مگر انداز میں جو ناگواری تھی۔ وہ عیاں ہو رہی
تھی۔ ایک جونیئر نرس نے خاموشی سے اس کے ہاتھ
سے دوا لے لی۔ یہ بھی جان چھٹ جانے پر سرپٹ
دوڑی۔
پھر ہی ایک کیوں... روزانہ صبح تیار ہو جاتی اچھا سا
ڈریس پہن کر۔
"یہاں موبائل کے سگنلز نہیں آتے۔ نیٹ کام
نہیں کرتا' مجھے نانو جان سے بات کرنی ہے۔" اب
اخفش اس سلسلے میں کیا کرے۔ سب کام کر رہے
ہوتے... یہ سب سے الگ تھلگ بیٹھ کر فون پر گیم
کھیلنے لگ جاتی۔ بچوں نے اتنا بڑا موبائل کبھی دیکھا
نہیں تھا۔ ذرا ذرا فاصلے سے کھڑے ہو جاتے پھر سرکتے
سرکتے سر پر پہنچ جاتے۔ یہ بھنا کر اٹھتی... پھر ڈانٹنے
بھی لگی۔
بھوک بھی جلدی لگتی تھی۔ اخفش کے نام کی
پکاریں لگتیں۔ چولہا جلا کر دے۔ وہ بگشت آتا پھر بی
نوڈلز بناتیں یا کوئی سوپ... کھاپی کر ڈسپوزل برتن باہر۔

یہاں تک تو ٹھیک تھا۔ چولہا گرلز والے روم میں
ہی سیٹ تھا۔ پیٹ پوجا وہیں ہو جاتی۔ مگر بے وقت کی
وہ بھوک جو تھوڑی دیر بعد ہی لگ جاتی تھی۔ اسے
مٹانے کو... چپس کے پیکٹ... جوس' بسکٹ اور
چاکلیٹ... لیے گھومتی' ایسے میں بچے اس کے گرد
منڈلانے لگ جاتے۔ بچے بھوکے یا ندیدے نہیں
تھے۔ مگر نازک ایک اچنبھا بن کر سب پر طاری ہو گئی
تھی۔ اسے دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا وقت گزاری کا
اچھا مصرف تھا۔
پر مصیبت یہ ہوئی۔ بچوں کے ساتھ ساتھ کیمپ
کے نگران فوجی افسر نے بھی اس سب تماشے و حرکات
کو بھانپ لیا۔ وہ اخفش کے ہمراہ آئی تھی اور اخفش
بے حد محنتی کارکن ثابت ہو رہا تھا۔ بساط سے بڑھ کر
کام کرتا تھا۔ افسر دو ٹوک تھے اور مزاجاً" تلخ مگر یہاں لحاظ
کر گئے۔ ہر روز صبح ہونے والی میٹنگ میں جب دن کا
لائحہ عمل طے کیا جاتا تھا۔ مجموعی طور پر سب کو
مخاطب کرتے ہوئے بتا دیا۔
"یہاں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھنے والوں کے لیے
کوئی جگہ نہیں۔ خود کو درست کرلیں ورنہ واپس بھجوا
دیے جائیں گے۔"
اور یہ آئیڈیا بہت اچھا تھا۔ مگر اخفش' نازک کو اس
طرح فوجی ٹرک میں بھر کے بھیج دیتا تو لیلیٰ بیگم کو کیا منہ
دکھاتا اور یہ اچھا طرز عمل نہیں تھا۔ وہ ساتھ آئی تھی تو
ساتھ ہی واپس جاتی۔
لہٰذا ضروری تھا کہ اسے کسی کام سے لگایا جائے۔
مگر کام... کون سا کام؟ اخفش نے دو دن سوچا۔
اور تیسرے دن نازک کو قلم اور رجسٹر تھما دیا۔ اسے
آنے والی دوائیوں کے اندراج کا کام دیا تھا۔ کتنی آمد...
کتنا خرچ... نازک کی انگلش اچھی تھی اور لکھنے
میں ہاتھ تیز چلتا تھا (ہاں رات میں اسے کلائی پر بام ملتے
دیکھ کر کتنی ہی لڑکیاں منہ چھپا کر ہنستی پائی گئی تھیں)
ادھر نازک کو یہ کام پسند آ گیا۔ ایک گھنے پیڑ کے
نیچے کرسی ٹیبل رکھ کے وہ لکھتی۔ اسے اب کام میں
دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔
مگر کچھ مسائل ہنوز تھے۔ "مچھر کاٹتے ہیں۔ ایک
مکھی کو خاص طور پر اس کی ناک پر بیٹھنے میں دلچسپی
ہے' بو بہت آتی ہے۔ واش روم کی پراپر صفائی نہیں
ہوتی... یہ نہیں ہوتا... وہ نہیں ہوتا۔
ہر روز چاول کی دیگ کیوں پکتی ہے۔ یا گوشت' آلو
اور نان... سم تھنگ اسپیشل کیوں نہیں... لائٹ
وائٹ کڑاہی... پسندے' چائنیز رائس۔ یا پھر" وہ بولتی

انخفش سنتا اور سر دھنتا۔ نازک کام سے لگی تب انخفش کو کچھ ذہنی سکون ملا۔

نوال نے بھی سراہا۔ اب کیا تاں کرنے والا کام... خود نوال نظر ہی نہ آئی۔ دس جگہ ٹانگیں پھنسا رکھی تھیں۔ پکتی دیگ میں سے کچا پکا آلو نان پر رکھ کے کھاتی اور یہ جا وہ جا... بال اسی دن بنائے تھے جس دن گھر سے نکلی تھی۔

فخر سے ہر ایک کو بتایا "چار دن سے منہ نہیں دھویا۔ پھر بھی چم چم کرتی ہوں۔" اس اطلاع پر سب ہی نے دیکھا۔ پیاری تو وہ تھی شوکیس میں سجی گھونگھریالے بالوں والی پری...

پر انخفش نے ذرا غور سے دیکھا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ چہرہ کمزور سا دکھتا تھا اور رنگت جھلس گئی تھی۔ ہاتھ اور پیر بھی کھردرے سے ہو گئے تھے۔

اسے جو بھی کام دیا جاتا، فرماں برداری سے انجام دیتی اور کچھ نہ کچھ کرتی پائی جاتی، اسے کسی نے فارغ بیٹھے نہیں دیکھا تھا۔

ایک فوجی بھائی کو کچھ جادوئی کمالات آتے تھے۔ منہ میں مکئی کے دانے رکھ لیتا اور کان سے نکال کر دکھاتا... ماچس کی تیلیاں جلا دیتا... آگ لگ جاتی... مگر جب ڈبیا کھولو، تیلیاں سلامت... اب یہ کرتب بی بی نوال بچوں کے ہجوم میں کھڑے ہو کر دکھاتی پائی جاتی۔

ہنستی مسکراتی، ماتھے پر شکن لائے بنا تھکاوٹ اور بے آرامی کی کوئی شکایت نہیں۔ مست ملنگ، مگن... نوال ضمیر... اور انخفش کے پاس بھی سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی مگر ایک جائزہ... ایک تقابلی جائزہ وہ بے خیالی میں لیتا تھا۔

☼ ☼ ☼

نوال کا ہر فن مولا ہونا... اور بے خطر کود پڑنا سب میں مشہور ہو چکا تھا۔ وہ جادوئی پری تھی، جو ہر کام کر سکتی ہے۔ کچھ بھی تب ہی تو ڈاکٹر سیمی اپنے چوٹ لگے ہاتھ کو آگے دکھاتے ہوئے نوال تک چلی آئیں وہ پریشان لگ رہی تھیں۔ نوال اس وقت بالکل فرصت سے ہاتھوں کی انگلیوں میں دھاگے کا جال بنانا سکھا رہی تھی۔ جال بنانا... پھر اسے اس طرح پلٹنا کہ ایک بل بھی خراب نہ ہو۔

"آپ کیس کر سکتی ہیں ڈاکٹر نوال...؟" ڈاکٹر سیمی ہاتھ کی چوٹ میں درد سے نڈھال سی تھیں، پوری طرح سے حاضر دماغ نہیں لگ رہی تھیں۔

"کیس..." نوال نے چونک کر دیکھا۔ "ہاں ہاں کیوں نہیں... کون سا کیس ہے، جو میں نہیں کر سکتی؟ دیوانی مقدمہ... فوجداری مقدمہ... کیس ہی کیس۔"

"ڈلیوری کیس ڈاکٹر نوال...؟"

"ڈلیو... ر... ی کیس..." نوال کے ہاتھ دھپ سے گر گئے۔ کیا کسی ماں کی ڈلیوری ہے؟" نوال کو لگا یہ وہ والی ڈلیوری نہیں ہے۔ جو وہ سمجھی ہے۔

"ماں کی ڈلیوری کیوں؟ ایک لڑکی کا ڈلیوری کیس ہے۔ ادھر جنوب میں اونچی پہاڑی پر جو گھر ہیں، وہاں ایک لڑکی کا سیون منتھ ہے تو..." ڈاکٹر سیمی تفصیل بتا رہی تھیں۔ "کلانچ میں بیٹھ کر جانا ہو گا ڈاکٹر فوزیہ ساتھ ہوں گی۔ اب یہ تو وہاں جا کر پتا چلے گا۔ کیس کی کیا صورت حال ہے ادھر لانا ہو گا یا وہیں ٹریٹمنٹ ہو گی۔ اگر بات سیزر تک چلی گئی تو..." اب ڈاکٹر سیمی خود سے ہمکلام تھیں۔

جبکہ ڈاکٹر نوال... منہ کھولے، آنکھیں پھیلائے ان کے ہلتے لب دیکھ رہی تھیں۔ یعنی کہ ڈلیوری... وہ والی ڈلیوری۔

دھپ... نوال نے گردن ڈھلکا دی۔

☼ ☼ ☼

جس وقت نوال کیسز کی اقسام پر مراقبے کی سی گہرائی لیے غور و فکر کر رہی تھی۔ عین اس وقت نازک اندام... انخفش سے پوچھ رہی تھی کہ گھر کب تک جانا ہے، وہ تھک چکی ہے۔ نانو جان بھی بہت یاد آ رہی ہیں اور اس کا دل اوب گیا ہے، خود اپنی طبیعت خراب لگنے لگی ہے۔

اس نے شدید ناگواری کا انداز اپناتے ہوئے کافی کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا' جو اخفش کو ناگوار گزرا تھا مگر اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے بتایا۔

"شام تک فیصلہ ہو جائے گا۔" اگر اخفش خود نہ بھی جاسکا تو کم از کم اسے ضرور بھجوا دے گا۔

"دراصل اخفش میں ضرور رک جاتی۔ مگر میری کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئی ہیں اور یہاں کھانا صرف تین ٹائم ملتا ہے اور وہ بھی.... "اس نے آگے نہ جانے کیا کہنا تھا" اور میرے سب کپڑے بھی میلے ہو چکے ہیں (اتنا بڑا ڈھیر لائی تھی) اخفش نے چونک کر اسے دیکھا۔ دیگر لڑکیوں بشمول نوال نے وہاں کی عورتوں کی طرح ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر تھپ تھپ کر کے اپنے ڈھیر کپڑے دھوئے تھے پھر سکھانے کے لیے مختلف جھاڑیوں پر ڈالے اور اپنے کارنامے پر خوش ہو کر دیر تک قہقہے لگائے تھے۔

مگر نازک کے لیے آتے وقت کی تھرل اور ایکسائٹمنٹ ختم ہو چکی تھی۔

اخفش کی تسلی پر وہ شام تک کے انتظار پر راضی ہو گئی۔ سامان بھی باندھ لیا تھا۔

لوگ پانی اترتا دیکھ رہے تھے اور واپسی کا قصد کر رہے تھے۔ بچا کھچا مال واسباب.... تب ہی ایک ہوش ربا اطلاع نے سب کو بوکھلا دیا۔

جنوبی پہاڑی کے پیچھے والے بند میں شگاف ہو گیا ہے۔

لڑکی کی ڈلیوری والے پرابلم کے لیے پہلے ایک ہی لانچ روانہ ہو رہی تھی۔ مگر یہ خبر ملنے پر کہ وہاں چند خاندان موجود ہیں اور پانی انہیں بہا لے جائے گا۔ لانچوں کی تعداد تین کر دی گئی۔ پانی کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ سانس لینے کی مہلت بھی نہیں دیتا تھا۔ جو کرنا تھا جلد از جلد کرنا تھا۔

"تو یہ لوگ وہاں بیٹھے کیا کر رہے تھے۔ اب دوسروں کو بھی مصیبت میں ڈال رہے ہیں۔" کوئی چلایا تھا۔

"یہ لوگ اپنی زمین کبھی نہیں چھوڑتے ڈوب کر مرنا پسند کر لیتے ہیں مگر۔"

پتا نہیں کس نے جواب دیا۔ تعریف کی تھی کہ تنقید.... معلوم نہیں۔

☆ ☆ ☆

نوال کیس نہیں کر سکتی تھی مگر لانچ میں سوار ہونے والوں میں وہ پہلی تھی۔ آرمی ڈاکٹر زاسے ٹوکتے ٹوکتے رہ گئے۔ وہ اتنی کارگزار اور باکمال لڑکی تھی کہ اس کی موجودگی سب معاملوں کو سلجھا دیتی تھی۔ اور پھر اس کا جوش' جذبہ اور بے غرضی....

دوسری لانچ پر اخفش سوار تھا۔ نوال کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

"تم کیا منے کے کان میں اذان دو گے؟"

اخفش خاک نہ سمجھا.... "منا کون منا؟"

"ہے ایک....." نوال نے بے نیازی دکھاتے ہوئے منہ موڑا' سارا راستہ اخفش بے چارہ منے کو ہی سوچتا رہا۔

لوگ اپنے قیمتی مال واسباب سب سے اونچی جگہ پر رکھے امداد کے منتظر تھے لیڈی ڈاکٹر اور نوال اندر کی جانب بھاگیں۔

لڑکی کا کیس بگڑ گیا تھا۔ اسے فوری طور پر بڑے ہسپتال میں شفٹ کیا جانا ضروری تھا۔ مگر اس حالت میں اسے لانچ تک لانا بھی بڑے جوکھم کا کام تھا۔ مصیبت ہی مصیبت.... پیچھے ٹوٹے بند کے پانی کا خطرہ...

اور مرے پر سو درے۔ آسمان نے بھی ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ برسنا شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا کارروائی میں تیزی وقت کی اہم ضرورت تھی۔

لوگ لانچ پر سوار ہوتے تو اپنا صندوقچہ یا چارپائی بھی رکھنا چاہتے ——— مگر فوجی بھائی اس کام میں ماہر تھے۔ سب کچھ کر رہے تھے' وہ اس بات پر بھی راضی تھے کہ دوسرا چکر لگا لیا جائے گا۔ مگر برستا آسمان۔ پھیلتی شام.... عقل کا تقاضا یہی تھا جلد از جلد نکل لیا جائے۔

تینوں لانچوں کے انجن ایک ساتھ اسٹارٹ ہوئے تھے۔

کون کہتا۔ یہ دریا نہیں ہے۔ یہ کھیت کھلیان تھے چند روز پہلے۔۔۔ اب جہاں لانچ بھاگتی ہے وہاں ہل چلتا تھا۔

اور جب کسی زمین پر ہل کی جگہ کشتی چلنے لگے تب اس زمین کو اور مکین کو بربادی اور خاتمے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ کاش کوئی ہو جو سوچے مگر اس وقت تو۔۔۔

"ہائے میری چھوٹی تو جھولے میں سو رہی ہے۔ یہ ڈلیوری والی ماں کی تڑپتی پکار تھی۔ جو انجن کی گڑگڑاہٹ میں دب گئی۔ "ہائے روکو۔۔۔ کوئی تو روکو۔"

وہ اچھلی تھی اور لانچ سے کودنے والی تھی تب ہی نوال کو یاد آیا۔ ہاں ایک بچی چارپائی سے بنے جھولے میں تھی پر اب وہ یہاں نہیں تھی۔ اوہ تو وہ بچی تھی۔ سال ڈیڑھ سال کی بچی۔

اس عورت کی پکار اور اچھلنے کو سب نے درد سمجھا تھا۔ اصل بات تو نوال اور ڈاکٹر فوزیہ نے سمجھی تھی۔ ڈاکٹر فوزیہ نے لانچ چلانے والے کو چیخ چیخ کر روکنے کو کہا۔ وہ اللہ کا بندہ سمجھا۔ عورت کی حالت کے پیش نظر جلدی کا کہہ رہی ہیں۔

عورت بھی لانچ رکنے کی منتظر تھی مگر یہ کیا لانچ تو آگے کو چلنے لگی ہے۔ عورت نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔۔۔ وہ کودنے کو لپکی مگر ڈاکٹر فوزیہ نے اسے جکڑ لیا۔ تب وہ بن جل جیسی مچھلی کی طرح تڑپی۔

"میری چھوٹی جھولے اندر۔۔۔ میری چھوٹی ہائے۔"

وہ ہاتھ سے اشارہ کر رہی تھی۔

اور بس ایک پل تھا۔ نوال نے پانی میں چھلانگ لگا دی وہ سب کو سرپٹ بھاگتی نظر آتی تھی۔ لانچیں خود بخود رک گئیں۔ سب نا سمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ مگر بات نہیں کر پا رہے تھے۔ لگاتار بارش۔۔۔ منظر کو دھندلا کر رہی تھی۔ ڈاکٹر فوزیہ نے اپنی لانچ کے فوجی کو بات سمجھائی۔ وہ سنتے ہی پانی میں کودا اور اس جانب بھاگا جدھر نوال گئی تھی۔ مگر آدھے راستے میں ہی رک گیا۔ نوال بھاگی آ رہی تھی اور سینے سے لگی بچی۔۔۔ اوپر بجلی کڑکی تھی اور بارش غضب ناک ہو گئی تھی۔ دور سے آتا ایک سیلابی ریلا تھا۔۔۔ نوال نے بچی فوجی جوان کو دی۔ لانچ اسٹارٹ تھی ایک اشارے کی منتظر۔۔۔

فوجی جوان نے بچی ڈاکٹر فوزیہ کو۔۔۔ وہ خود سوار ہوا اور ہاتھ بڑھا کر نوال کو کھینچا۔ نوال ہلکی پھلکی سی تو تھی۔ منٹ میں اوپر آ گئی اور وہیں ڈھے گئی لانچ پانی میں دھاڑی۔ جھٹکا لگا۔ لانچ نے اسپیڈ پکڑی مگر یہ کیا۔۔۔ نوال۔۔۔ جو ابھی اوندھی پڑی تھی۔ اب کہیں نہیں تھی۔ ابھی تو تھی۔ کیا جھٹکا لگنے سے گر گئی مگر کدھر۔۔۔ لانچ رکتے رکتے بھی کتنا آگے جا کر رکی تھی۔

پر پیچھے تو کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی نہیں تھا۔۔۔ نوال نہیں تھی۔ عورت بچی کو سینے سے لگائے اب اپنے درد سے چلا رہی تھی۔ اسے فوری مدد کی ضرورت تھی اور نوال کو۔۔۔

"آپ جائیے۔ میں اسے لیے بغیر نہیں جا سکتا۔۔۔ کبھی نہیں۔"

یہ افخش کے جملے تھے اور اس سے پہلے کہ کوئی اسے روکتا۔ وہ پانی میں کود چکا تھا۔

✡ ✡ ✡

اوپر سے برستی بارش۔۔۔ پانی کا شدید بہاؤ۔۔۔ اندھیری دھاڑتی چنگھاڑتی رات۔۔۔ کیمپ میں موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ تلاش کے لیے جانے والی آخری لانچ بھی ناکام واپس آ گئی تھی۔ نوال مل نہیں سکی۔۔۔ اور افخش آنے پر راضی نہ ہوا تھا۔

اسے لیے بغیر۔۔۔ نوال کے بغیر کبھی نہیں۔۔۔ اس کے لہجے کے صدمے اور عہد پر دل پھٹ رہا تھا۔ وہ ہاتھوں کا بگل بنا کر بس پکارتا تھا "نوال۔۔۔ نوال۔۔۔!"

ٹارچ کی روشنی پانی پر عکس دکھاتی تھی۔ وہ نہ دکھاتی تھی جو دکھایا جانا چاہیے تھا۔

"پتا نہیں کہاں ہو گی۔ پانی کا بہاؤ اتنا زیادہ ہے کہ اب تک تو کہاں پہنچ چکی ہو گی۔" ایک آفیسر نے دل کڑا کر

کے کہہ دیا۔

"وہ اتنی آسانی سے بہہ جانے والی چیز نہیں سر!" انفش بولا "آپ جانتے نہیں نوال ضمیر خان کس چیز کا نام ہے۔"

شام رات میں ڈھلی اور رات ہولناکی میں... برستی، گرجتی، کڑکڑاتی گیلی رات اور وہ اسے ڈھونڈنے کے لیے وہیں رہ گیا تھا۔

زندہ نہ ملے... مری ہوئی مل جائے پر وہ نوال کے بغیر نہیں جائے گا۔ کبھی نہیں...

اسے بارش نے بھگو دیا تھا۔ سر سے پیر تک پانی بہتا تھا۔ وہ بار بار آنکھیں پونچھتا تھا تاکہ منظر صاف دکھائی دے۔ بارش نے بھرم رکھ لیا تھا۔ وہ بارش کے ساتھ ساتھ آنسو بھی پونچھتا تھا۔ انفش انعام... رو رہا تھا۔ نوال ضمیر کے لیے اور جب اس پر خود یہ انکشاف ہوا تو نگاہ چرانے کے بجائے وہ با آواز بلند رو دیا۔

ہوا میں تلوار چلانا سن رکھا تھا۔ پانی میں کیا گھمائے، بس پکارتا تھا اور پکار پکار کر ہارتا تھا اور ایسے ہی ایک ہارے لمحے میں وہ سر پر ہاتھ رکھ کے یونہی کہیں بیٹھ گیا۔

جادوئی کمالات سیکھ رہی تھی۔ غائب ہونا بھی سیکھ لیا۔

اور کیا نوال ضمیر وہ چیز تھی جو اتنی آسانی سے نظروں سے اوجھل ہو جائے۔

وہ آپی کو کیا جواب دے گا اور نانو کو... اور دادا جان کو...

پر ان کے سوال و جواب سے پہلے خود کو تو بتا دے۔ کہ نوال ضمیر کہیں نہیں تھی۔

یونیورسٹی میں وہ سب سے اپنا اور اس کا رشتہ یوں چھپائے پھرتا تھا جیسے گناہ... اور ابھی چلاتے ہوئے جب اس نے خود کو چھڑایا ان فوجی بھائیوں سے جو اسے کسی صورت چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے تب اس نے سوچا کہ وہ کیا رشتہ بتائے۔ بہن کا، دوست کا، رشتے داری... یا پھر دشمنی کا...

ہاں۔ وہ تو اس کی دشمن تھی اور دشمنی کے بھی تو اصول ہوتے ہیں۔ اس نے سوچا اگر نوال کی جگہ وہ بہہ جاتا... ڈوب جاتا تو کیا نوال اسے چھوڑ جاتی ہاتھ جھاڑتی۔ خس کم جہاں پاک... نہیں کبھی نہیں۔ نوال ضمیر، انفش انعام کو کبھی چھوڑ کر نہ جاتی۔ صاف کہتی "یہ میں نہیں کر سکتی اس لیے کہ میرا ضمیر ابھی زندہ ہے۔ اور یہ میں نے اپنے باپ کے لیے نہیں کہا۔"

تو وہ اتنا جانتا تھا نوال کو... اتنا زیادہ... پھر کیسی اجنبیت... کیسی بے گانگی، لاتعلقی۔

لیکن نہیں۔ لاتعلقی ہوتی تو اس رات کے سناٹے میں یوں سر پر ہاتھ رکھ کے روتا۔ پکار پکار کے اس کا گلا بیٹھ گیا تھا اور کوئی راہ سجھائی نہ دیتی تھی۔ اس اندھیرے میں کہاں ٹامک ٹوئیاں مارے... صبح کا انتظار کرے پر اگر وہ واقعی بہہ گئی ہے تو کہاں سے ملے گی۔ ڈوب گئی ہے تو کہیں نہ کہیں تو ابھرے گی تو کیا وہ پانی کے ساتھ ساتھ چلتا جائے اور سمندر میں جا گرے پر اگر وہاں بھی نہ ملی تو...؟ اور اس تو کے آگے کی ساری کہانی تھی۔

کب کب اس کا دل نہ چاہا تھا کہ وہ چھڑی گھمائے اور اسے غائب کر دے۔ جب وہ عید کی رات باربی کیو پارٹی میں چھپ کر داخل ہوئی اور تکوں کی پلیٹ اڑا کر بے خود کو مددگار بتائے عیش اڑاتی پائی گئی اور رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر مجال ہے ذرا شرمندہ ہوئی ہو، الٹا اسے مورد الزام ٹھہرا دیا یہاں تک کہ اس کے اپنے دوست اسی کو قصوروار کہنے لگے۔

تب اس سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ کوئی جواز نہ گھڑ سکا۔

جب وہ بس میں سوار ریس لگا رہی تھی۔ جب وہ چرس کا سگریٹ بھرنا سیکھ رہی تھی اور اسے پکار رہی تھی۔ یا جب وہ بکرے خرید لائی تھی۔ جب وہ اس کے موٹاپے کی نشانہ بناتی تھی۔ یا پھر کب کب...

تین سال پہلے جب وہ ایبٹ آباد سے کراچی اپنے ڈیڈ ضمیر خان کی خالہ جان یعنی زینت بیگم کے گھر آئی۔ تب زینت بیگم اور نوین کی زندگی میں کیسی رونق اور رنگ بھر گئے۔ وہ پھلجھڑی جیسی لڑکی تھی۔ زینت بیگم

اور نوین دبی دبائی محدود زندگی گزار رہی تھیں۔ نوین کے والد کی سوچ نے انہیں ایک دائرے میں سمیٹ رکھا تھا۔ چار دیواری کے اندر کی زندگی... نوین کے اندر اعتماد کی کمی نہیں تھی۔ وہ قابل، تعلیم یافتہ ذہین لڑکی تھی۔ مگر گھر کے ماحول اور حالات واقعات نے اسے دبا دیا تھا۔

جبکہ نوال... وہ عورت ہونے کو زندگی کی راہ میں آنے والی مشکلات کا باعث نہیں سمجھتی تھی۔ وہ لڑکی تھی مگر لڑکیوں والے گن نہیں تھے۔ آدھا مرد... دیوار میں ڈرل کر رہی ہے۔ استری اور واشنگ مشین کے سوئچ جوڑ رہی ہے۔ فیوز لگانا بھی جانتی تھی۔ موبائل بھی ٹھیک کرتی اور چارج بھی...

اور ادھر پڑوسی اخفش کو یہ سب بے حد برا لگتا۔ اسے لگتا نوال براہ راست اس کی مردانگی کو چیلنج کر رہی ہے۔

دراصل اخفش عورت کو چادر اور چار دیواری کے اندر ہی محفوظ و مامون سمجھتا تھا۔ وہ عورت میں عورت پن کے برقرار رہنے کا خواہش مند تھا۔ اور اس کے پیچھے اس کی اپنی ماں ہما کی موت تھی۔ وہ شادی سے پہلے ایئر ہوسٹس تھی۔ شادی کے بعد جب دوبارہ جوائن کرنا چاہا تب اخفش کے والد نے منع کیا۔ شادی سے پہلے اس طرح کے شوق چل جاتے ہیں مگر اب اس کا ایک گھر تھا۔ شوہر تھا اور ایک بچہ... اور پھر گھر میں پیسے کی ریل پیل تھی۔ اسے کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اب کام کی مشقت جھیلے۔ انعام اس کی ہر خواہش پورا کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ مگر وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ بات ضد سے گزرتی ہٹ دھرمی تک جا پہنچی اور ہما نے جوائن کر لیا۔ اب یہ قسمت کا لکھا تھا جہاز کریش ہو گیا اور ہما کی لاش تک نہ مل سکی۔

اخفش کے ذہن میں خیال پختہ ہو گیا۔ اس کی ماں گھر میں رہتی۔ شوہر کی بات مان لیتی۔ ہٹ دھرمی نہ دکھاتی تو آج زندہ ہوتی۔

نوال، اخفش کی سوچوں کا الٹ تھی۔ اور جانے انجانے میں وہ اخفش ہی کے مدمقابل آگئی (یا اسے کم از کم یہ لگا) اٹھارہ برس کی لڑکی قربانی کے لیے بکرے خرید کر لے آئی۔

وہ نانو اور خالہ (نوین) کو باقاعدہ سبق پڑھاتی کہ معمولی ماچس کے انتظار میں مرد کا انتظار کرتے رہنا نری بے وقوفی ہے آپ پیروں میں جوتی پھنسائیں اور گلی کے نکڑ سے لے آئیں۔

"ہائے... لوگ کیا کہیں گے، ماچس خریدنے گھر سے نکلی عورت..." نانو کو شرم آئی تھی یا پتا نہیں کیا۔ اور نوین بھی ہم خیال نظر آرہی تھی۔ تب نوال نے تپ کر اعلان کیا۔

"پھر آپ دونوں کے لیے فری مشورہ ہے۔ پتھر پر پتھر رگڑ کر آگ پیدا کرنا سیکھ لیں اور وہ میں سکھا دوں گی۔"

اخفش نے سن لیا، سوچا۔ اتنی محنت کی کیا ضرورت ہے۔ گیس آن کر کے نوال بس اپنی زبان سے چولہے کو چھو لے۔ وہ شعلے بھڑکیں گے کہ فائر بریگیڈ بھی ہار مان لے۔

اخفش نے پہلے چہرے کے تاثرات پھر دبے الفاظ اور بعد میں بہانگ دہل اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ نوال جتنا عرصہ بحیثیت مہمان رہی۔ اس نے وہ تمام کام اپنے ذمے لے لیے جو اخفش کیا کرتا تھا۔ پڑوسیوں سے دیرینہ تعلقات تھے۔ اخفش کے دادا، دادی اور چاچو حج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ اس کا تین وقت کا کھانا نوین کے ہاں ہی ہوتا تھا۔ نوال کی موجودگی کی بنا پر اس نے ادھر جانا ہی چھوڑ دیا نانو کو وہ بیٹوں کی طرح پیارا تھا نوین تو بچپن سے اسے گود میں اٹھائے پھرتی تھی۔ لاڈلا... بھائی، بھتیجا، دوست سا اخفش۔

نوال نے اس پر بھی اعتراض کیا۔ "کوئی دوستی نہیں، دراصل آپ اس پر ڈیپنڈ کرتی ہیں۔ سوچتی ہیں اگر وہ نہ ہوا تو دو اکیلی عورتوں کا کیا ہوگا دراصل نوین کے بڑے بھائی نعمان امریکہ میں شادی کر کے وہیں کے ہو رہے تھے اور سال پہلے نوین کے والد کا انتقال، دونوں ماں بیٹی کو مزید اکیلے پن کا شکار کر چکا تھا۔

نوال مہمان تھی۔ اسے جانا ہی تھا۔ جانے سے

پہلے وہ اخفش کے پاس آئی اور اسے بتایا کہ وہ جانتی ہے وہ اسے پسند نہیں کرتا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ بھی اسے ناپسند کرتی ہے' مگر پھر بھی وہ معذرت خواہ ہے۔ اس تکلیف کے لیے جو اس نے جھیلی اخفش نے پورے حق سے معذرت قبول کی۔

تب نوال نے بتایا کہ اس طرز زندگی کے پیچھے اس کے ڈیڈ ضمیر خان کی ایک حادثے میں ٹانگیں ضائع ہو کر گھر بیٹھ جانا تھا۔ وہ عدم تحفظ کا شکار ہو گئے تھے۔ تب آٹھ سالہ نوال اپنے ڈیڈی کی ٹانگیں بن گئی۔

وہ ان کے ساتھ ہر جگہ جاتی اور ہر وہ کام کرتی جو ڈیڈ کے کرنے کے تھے۔ اس کی امی گھریلو عورت تھیں۔ بڑی دونوں بہنیں بھی باہر کی دنیا سے ناآشنا تھیں اور کچھ ضمیر خان کو لگنے لگا تھا کہ وہ دونوں باہر جاتی ہیں تو ہر مرد انہیں ٹٹولتی ہوس بھری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایسے میں نوال باپ کا بازو بن گئی اور اب یہ اس کا طرز زندگی تھا۔ وہ اس سے پیچھے ہٹ نہیں سکتی۔ حقیقت سے آشنا ہو کر اخفش سن رہ گیا۔

ہاں ہر بات کے پیچھے ایک اور بات ہوتی ہے اور وہی اصل بات ہوتی ہے۔ پہلی بار اخفش کے دل میں نوال کے لیے جگہ بنی اور اس نے نوال کے حالات کو جانا اور سمجھا۔

لیکن یہ پل بھر ہی کی کیفیت رہی ہو گی۔ نوال کے کسی جملے نے پھر اسے تپا دیا۔

اور پھر جاتے جاتے جب نوال کو یہ پتا چلا کہ اخفش کے بے پناہ ہینڈسم چاچو اخطب اب تک لنڈورے (مطلب کنوارے) ہی گھوم رہے ہیں' اس نے منہ پھاڑ کے پوچھ لیا کہ اس کے اتنے ہینڈسم چاچو نے اب تک شادی کیوں نہیں کی تب اخفش نے اپنا سوال جڑ دیا کہ اس کی بے حد حسین خالہ (نوین) بھی تو اب تک کنواری گھوم رہی ہیں کیوں؟ نوال بری طرح چونکی۔

"کیا ان دونوں باتوں کا آپس میں کوئی تعلق ہے؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔ "کیا اس کے پیچھے کوئی بات ہے؟"

اخفش نے سرہلایا "وہی اصل بات ہے۔"

"پر کیا؟" نوال نے پوچھا۔

"اتنی ہوشیار بنتی ہو' پتا لگالو۔" اخفش نے چیلنج کیا۔

"وہ تو میں لگا ہی لوں گی۔" نوال بولی۔

"صرف پتا لگاؤ گی یا انجام تک بھی پہنچاؤ گی۔" اخفش اسے اکسا رہا تھا۔

نوال نے جواب دیا۔ "انجام پر بھی پہنچ جاؤں گی' ایک ہیپی اینڈ....."

اور پھر جب اس نے جامعہ میں داخلہ لیا اور کراچی شفٹ ہوئی تو..... اس نے حقیقت معلوم کر لی۔

دانت کاٹی دوستی' محبت کے باوجود نوین کے والدین نے ذات برادری سے الگ ہونے کی بنا پر اشتیاق احمد کے بے حد محبت بھرے انداز سے رشتہ مانگنے پر نا صرف منع کر دیا تھا بلکہ تعلقات میں بھی بال آگیا تھا۔

اور بعد میں نوین نے اعلان کر دیا جو رشتہ باپ نے اپنی زندگی میں انکار کر دیا۔ وہ اسے کیسے اپنا سکتی ہے۔ ادھر اخطب نے زندگی بھر شادی نہ کرنے کا اعلان کر دیا۔

نوال نے حقیقت سے واقف ہو کر پہلے تو سمجھانے کی کوشش کی' اس لیے کہ وہاں امریکہ میں بھائی نعمان خان بھی اس رشتے پر راضی تھے۔ مگر نوین اس رشتے کو باپ کی حکم عدولی سمجھتی تھی۔

یہاں سے نوال کا نوال پن عود کر آیا۔ اس نے اپنی چالیں چلیں۔ ایسے ٹانکے جوڑے کہ آخری پل تک نوین کو پتا ہی نہ چلا کہ اس کا نکاح اخطب کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ وہ تو یہی سمجھتی رہی نوال اور اخطب کا نکاح ہے۔ وہ تو جب مولوی صاحب نے نوین سے پوچھا تب صورت حال ایسی تھی اقرار کے سوا کوئی راہ نہ تھی۔

نوین تو نوین..... خود اخطب' اخفش' نانو' دادو اور نوال کے بہت پکے دوست بن جانے والے اشتیاق احمد کو نکاح کے بعد علم ہوا کہ دراصل ہوا کیا ہے۔ سب سے بڑے حق دق اخفش' اس کی تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب ہو گئی تھی۔ کوئی انسان ایسے بھی کر

سکتا ہے۔ بلکہ کوئی لڑکی۔۔۔

وہ بس سوچتا ہی رہ گیا۔ دوسری طرف نوال نے بے خود خان کے ساتھ مل کر ایک ٹیم سی بنالی اور اخفش کو زچ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھار کھی۔ وہ اسے بتا کر، جتا کر یا چھپا کر بہر حال چڑا ضرور جاتی۔

دونوں یونی کے ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں تھے۔ اشتیاق احمد کو نوال بے حد پیاری تھی۔ جب ہی تو اسے اخفش کے لیے سوچا۔

اور تب اخفش نے فقط خودکشی کا سوچا، مرجائے یا ماردے اور انکار بلکہ صاف انکار نوال کی طرف سے بھی آیا تھا۔

اخفش کو نازک اچھی لگی تھی۔ ایک ایسی نزاکت (جسمانی نہیں) رکھنے والی عورت۔۔۔ جس نے عورت پن کو برقرار رکھا تھا (غلط بالکل غلط نری ست عورت نکمی اور کام چور، لیلیٰ بیگم نے باقاعدہ بگاڑ دی تھی مگر اخفش کو سمجھ نہیں تھی)

وہ ہر معاملے میں نوال کا الٹ تھی۔

کچھ فطرتاً" رہی سہی کسر لیلیٰ بیگم کی قربت نے پوری کر دی تھی۔ جسمانی لحاظ سے بھی نوال گھونگھریالے بالوں والی باربی ڈول۔۔۔ اور ہاں نازک، سو روپے والی وہ، وہ گل گوتھنی گڑیا تھی جسے چھوٹی بے بی گود میں بھر کے ہر وقت فیڈر پلاتی ہے۔ ہی ہی ہی۔۔۔

اخفش کے لیے جسمانی فرق شاید معنی نہیں رکھتا تھا (شاید اس لیے کہ وہ خود بھی کافی حد تک سو روپے والے گڈے ہی سے مشابہت رکھتا تھا ہاہاہا) اور جسمانی تضاد کی شاید اتنی اہمیت نہ تھی مگر۔۔۔ ذہنی تضاد سوچ، فکر، نظریات۔۔۔

نوال جفاکش تھی، جب ہی تو یہاں تک چلی آئی، دلیر تھی۔ پانی میں کود گئی، نڈر تھی بھاگتی چلی گئی، زندگی اہم ہے۔ جان قیمتی ہے۔ صرف نوال کی نہیں اس شیر خوار بچی کی بھی جو مصیبت سے بے پروا جھولے میں اونگھ رہی تھی۔ زندگی پانی کا بلبلہ ہے اور جس نے پھوٹ ہی جانا ہے۔ مگر ایسے؟

کیچڑ میں لت پت، وہ ایک بار پھر ہمت کر کے آگیا۔

پانی کے بہاؤ اور شور میں قطعاً" کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس کے شانے میں شدید درد ہو رہا تھا۔" وہ دلدلی زمین پر کتنی بار گرا تھا۔ پتا نہیں یہ قدموں کی لڑکھڑاہٹ تھی یا سوچوں کا اژدہام۔۔۔ پچھتاوے ناکامی۔

اس نے ان فوجیوں کو خود سے دور کر دیا تھا۔ جو اسے یہاں نہ چھوڑنے پر بضد تھے؟ اصرار جب زبردستی میں داخل ہوا تو وہ گتھم گتھا ہو گیا۔ ایک کا تو گریبان پکڑ لیا یہ سوچ بھی کیسے لیا۔ وہ نوال کے بغیر جائے گا۔

سب اسے بے وقوف کہہ رہے تھے یہاں وہ تھا اپنی جان کا دشمن۔۔۔ تو کیا زندگی بھر اس احساس کے کچوکے کھاتا؟ اس نے اسے تلاش نہیں کیا اور بس اپنی جان بچا کر نکل آیا۔ تو پھر ایسی زندگی سے دشمنی پال لینا ہی بہتر ہے۔

"نوال۔۔۔ نوال ضمیر خان۔۔۔" اس نے ایک بار پھر گھوم گھوم کر اسے پکارنا شروع کیا۔ اور نوال تو نہیں بولی۔ ایک گائے کے ڈکرانے کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔

اور اگر نوال ضمیر زندہ ہوتی تو اتنی دیر تک کہیں مخفی یا خاموش نہیں ہوتی۔ یہ اس کی فطرت کے خلاف تھا۔

نوال رنگ تھی نشان چھوڑ جانے والا۔۔۔

نوال خیال تھی۔۔۔ خوب صورت غزل میں ڈھل جانے والا۔۔۔

وہ خواب تھی۔۔۔ خوش کن تعبیر کا عکس۔۔۔

ہنسی تھی۔ اعتماد، یقین، سچائی، نوال کیا نہیں تھی۔

آہ! اور اب نوال نہیں تھی۔ کہیں نہیں تھی۔ اس کا دل نچڑ گیا۔

وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والی تھی ہی نہیں۔۔۔ نڈھال و ناکام اخفش نے سوچا۔

"ایک ڈبکی اور لہر میں اتنی طاقت تھی کہ نوال کو بہا لے جائے۔"

"نہیں....." اخفش کے ڈوبتے دل کو اچانک قرار ملا۔

بے حد کالی رات میں سناٹا تھا اور پانی کا شور، مگر اس کی آنکھیں مانوس ہو چکی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا، وہ کسی جزیرے میں ہے۔ چار اطراف پانی اور بس یہ ٹیلا...

اور اگر پانی کے برسنے کی یہی رفتار رہی تو یہ ٹیلا بھی غائب ہو جائے گا۔ اسے اب وہ جگہ تک بھولنے لگی تھی یا پانی میں معدوم ہو گئی تھی جہاں نوال نے ڈبکی کھائی تھی.... اور.... آہ....

اخفش ٹیلے کے اوپر چڑھنے لگا۔ گائے کے ڈکرانے کی آواز.... ایک اور زندہ وجود، سانس لیتا بولتا.... اس کا دل چاہا۔ گائے یونہی بولتی رہے۔ اور اسے احساس دلائے زندگی ابھی ختم نہیں ہوئی کہیں نہ کہیں باقی ہے۔ بولتی ہے۔ وہ آواز کے تعاقب میں چلا۔

اور سامنے گائے کھڑی تھی۔ ٹارچ لائٹ پر چونکی تھی اور بولنے لگی تھی۔ شاید وہ بھی کسی دوسرے جان دار کو دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔ اخفش کے دل کو کچھ ہوا۔

تنہا رہ جانے پر صرف انسان نہیں ٹوٹتے۔ انسان نہیں روتے۔ جانور بھی.... وہ آگے بڑھتا گائے کے نزدیک آگیا۔ اس نے اس کی پشت سہلانا شروع کی تو گائے نے بھی سر نیچے کر دیا۔ اخفش نے اپنا بازو اس کی گردن کے گرد پھیلا لیا.... لمس میں طاقت ہوتی ہے محبت اور اعتماد....

گائے ایک بار پھر ڈکرائی.... وہ گردن گھما گھما کر دیکھ رہی تھی، وہاں کچھ تھا۔ شاید بچھڑا.... مگر وہ ایسی بے ترتیبی سے گرا پڑا تھا۔ کیا مر چکا تھا۔

اخفش نے ٹارچ ڈالی اور اگلے ہی پل اس کی چیخ نکل گئی۔

بھوسے کے ڈھیر پر اوندھی پڑی یہ نوال تھی۔ نوال ضمیر خان.... وہ بھاگا تھا۔ اس نے اسے سیدھا کیا تھا۔ بے دم ڈھیلی.... جدھر ڈال دی۔ ادھر کو چت.... بے جان.... جیسے مردہ.... نہیں۔

اخفش نے اسے سیدھا لٹا دیا۔ اس کی نبض.... نبض کہاں تھی۔ بھلا نبض بھی گم ہوتی ہے۔ لیکن گم بھی جاتی ہے۔ بدترین خدشہ۔ نہیں، وہ حلق کے بل چلایا "نوال.... نوال...." جواب ندارد۔

اخفش کے صبر کا خاتمہ ہوا۔ اس نے پے در پے تھپڑ اس کے گالوں پر رسید کیے۔

"آہ.... مم.... آ.... آہ۔"

"نوال....!" اخفش کو یقین نہ آیا، یہ نوال کے منہ سے نکلا ہے۔

"نوال....!" وہ پورے جسم کی طاقت سے پکارنے لگا۔

"آہ....!" یعنی وہ زندہ تھی۔ یعنی نوال تھی۔ ہاں وہ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھی۔ اخفش کو پہلا خیال یہی آیا۔

مگر وہ ایک بالکل الگ راستے سے ٹیلے پر اتنا اوپر کیسے پہنچی....

ہاں نوال ہار ماننے والی چیز تھی ہی نہیں....

مگر ابھی وہ فوری طور پر کیا کرے.... یہاں صرف سانس چل رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اذان کا وقت ہے۔" اخفش نے موبائل پر ٹائم دیکھا۔ مگر گاؤں میں اب بچا ہی کون تھا۔ جو اذان دے؟ لیکن نہیں، وہ ہے ناں....

تین زندہ نفوس.... ایک اخفش انعام.... دوسری نوال ضمیر.... اور تیسری ایک گائے اور مسلمان کی گائے بھی مسلمان ہوتی ہے۔ اخفش مسکرایا وہ بہت ہلکا پھلکا تھا ذہنی طور پر.... اور جسمانی تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

وہ ٹیلے پر اور بلندی تک چڑھ آیا.... چار اطراف پانی، جہاں کبھی گھر تھے وہاں اب بس چھتیں نظر آرہی تھیں۔ درختوں کے تنے پانی کے اندر تھے۔ بس اوپری سبز چھتریاں.... دور مسجد کے مینار سیدھے کھڑے تھے دروازے پانی میں ڈوبے ہوئے۔ اخفش قبلہ رخ کھڑا

ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کانوں تک اٹھا کر تکبیر کہی۔

اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔

اشہد ان لاالہ اللہ۔۔۔

گائے نے ایک آواز لگائی اور پھر گردن نیچے کر کے بالکل خاموش ہو گئی نوال کسمسائی پھوڑے کی طرح دکھتے بدن کو برداشت کرتے ہوئے اس نے رخ بدلا۔

ٹیلے کی بلندی پر تکبیر کے لیے اٹھائے ہاتھوں والا ایک سایہ۔۔۔ یہ اخفش تھا۔ اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

یہ اذان بلالی نہیں تھی مگر اس کا جلال۔۔۔ ہر سو حاوی ہونے لگا۔

جہاں کوئی نہیں ہوتا' وہاں میرا اللہ ہوتا ہے' بلکہ اللہ ہر جگہ ہوتا ہے۔ پانی کے اوپر اور پانی کے اندر۔۔۔ پانی کھینچ لیتا ہے۔ نوال نے سوچا۔ پانی پھینک دیتا ہے۔ اللہ کے حکم ہی سے تو یہ اٹھا پٹخ ہوتی ہے۔

الصلوۃ خیر من النوم

اہل عرب نے ان الفاظ کو جادو کہا تھا۔ ہاں اگر یہ جادو تھا تو سرچڑھ کر بول رہا تھا ایک فسوں۔۔۔ ایک یقین، موت سے زندگی۔۔۔ ایک صبح۔۔۔ ایک واپسی زندگی کی طرف۔۔۔ جاگ جانے کا اعلان۔۔۔ ہر صبح ہوتا ہے پھر بھی ہم جاگتے نہیں۔

نماز نیند سے بہتر ہے مگر ہماری نیندیں۔۔۔ آہ۔۔۔ خواب غفلت۔۔۔

اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔

کیسی زندگی کی طرف بلاتی' جگاتی آواز تھی۔ سناٹے میں زندگی۔۔۔ موت کی گود سے پھوٹتی زندگی۔

سماعتوں کو کھولتی۔۔۔ روح کو جھنجوڑتی' بلاتی' پکارتی زندگی۔۔۔

کیسی آواز تھی۔۔۔ زندگی ہی زندگی۔۔۔ وقتی زندگی سے ابدی زندگی۔۔۔ کیسی زندگی؟

نوال کی گردن ٹیلے کی جانب ڈھلکی ہوئی تھی اور آنکھ سے پانی گرتا تھا۔ پانی۔۔۔ زندگی۔۔۔ نہ ہو تو۔۔۔ اور ہو تو۔۔۔ زندگی۔۔۔

اذان مکمل ہو گئی تھی۔ اخفش اس کی طرف آرہا تھا۔

اس نے ٹارچ کی روشنی نوال کے چہرے پر ڈالی۔ نوال کی آنکھ میں آنسو۔۔۔؟

"رو رہی ہو؟ بہت درد ہو رہا ہے؟"

"ہوں۔" اس نے ہونٹ کاکونا کچلا۔۔۔

"بس تھوڑی دیر۔ ابھی صبح ہو جائے گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اخفش نے انگلی کی پور سے آنسو پونچھا۔

"صبح تو ہو گئی۔" نوال نے بہت مدہم لہجے میں کہا۔

"کب۔۔۔؟" اخفش نے آسمان دیکھا۔ "ابھی اندھیرا ہے۔"

"نہیں' جب تم نے اذان دی۔ صبح ہو گئی۔" نوال بولی۔

"او ہاں۔۔۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔ "میں نے برتن ڈھونڈ لیے ہیں۔ ابھی گائے سے دودھ نکالوں گا۔ تم پینا۔ ایک دم فٹ فاٹ ہو جاؤ گی۔"

"تمہیں دودھ نکالنا آتا ہے؟" نوال نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔" اخفش نے پہلی بار اپنی شرمندگی کو چھپایا نہیں۔

"تو پھر کیسے؟"

"گائے کی منت کروں گا۔ دے دے گی۔" اخفش نے واقعتاً" منت ترلے کا پروگرام ہی سوچ رکھا تھا۔ نوال کے لبوں پر مسکراہٹ چمکی۔

"تمہیں نکالنا آتا ہے۔ دودھ؟" اخفش نے ذرا چونک کر پوچھا۔

"ہوں۔۔۔"

"واقعی۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔!"

"یار! کون سا کام ہے جو تم نہیں کر سکتیں؟" اخفش نے سر پر ہاتھ پھیرا۔ نوال نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"میں اذان نہیں دے سکتی۔" وہ نجانے کیا کہنا چاہتی تھی۔ "تم نے اذان کیوں دی اخفش۔۔۔؟"

"اذان۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔"
اخفش سوچ میں پڑ گیا۔ شاید اسے علم نہیں تھا۔ اس نے کیوں دی۔ نوال اس کے جواب کی منتظر تھی۔
"اس لیے کہ۔۔۔ اذان تو دینی ہی تھی۔ مجھے لگتا ہے' اذان نہ دی جائے تو صبح نہیں ہو سکتی۔"
"دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کی صبح اذان کے بغیر بھی ہو جاتی ہے۔" نوال نے یاد دلایا۔
"وہ صبح نہیں ہوتی۔" اخفش بولا۔ "وہ ایک کائنات کا سائیکل ہے۔ جو چلتا رہتا ہے۔ سورج آتا ہے۔ سورج جاتا ہے۔ اور ویسے بھی ایک مسلمان موجود ہو اور اذان نہ دے۔ یہ ہو نہیں سکتا۔" اخفش نے ذرا سینہ تان کر کہا۔
"اور ویسے بھی میں سمجھتا ہوں۔۔۔ اذان صبح ہوتی ہے۔ آغاز ہوتی ہے عہد اور یقین ہوتی ہے۔ اعلان ہوتی ہے کہ اللہ ہے۔" اخفش اندھیرے کی چادر میں پڑنے والی ہلکی سی سلوٹ کو مشرق کی جانب سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اذان آدھا کام تھی۔ نماز پڑھ کر مکمل ہوتا۔
"اللہ ہر جگہ موجود ہوتا ہے ناں۔۔۔!" نوال کے لہجے میں کھویا پن تھا۔ وہ ذہنی طور پر ابھی تک اپنی حالت کے صدمے میں تھی۔
"ہاں۔۔۔!" اخفش کسی حد تک نوال کے انداز سمجھ رہا تھا۔ اس کا انداز پچکارتا سا تھا۔
"پانی کے اندر بھی ناں۔۔۔!" نوال کو یاد آ رہا تھا۔ وہ پانی کے اندر۔۔۔ بہت اندر جا رہی تھی جیسے اسے کوئی کھینچ رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور پھر اتنی سکت بھی گئی۔ اور سانس رکنے لگی اور اسے سب کے چہرے یاد آنے لگے' پوری زندگی نظروں کے سامنے آ گئی اور ڈیڈ جب انہیں پتا لگے گا کہ نوال۔۔۔ ڈوب گئی اور مرنا ہی تھا تو کسی اور طرح مر جاتی' یہ کیا کہ ڈوب مری۔۔۔ اسے اپنے لیے موت کا یہ طریقہ پسند نہیں آیا۔
اور پھر اس نے کلمہ بھی پڑھ لیا۔ شکر اتنی مہلت مل گئی۔ اس کی آخری سوچ۔۔۔ اور کہیں وہ بچی تو پانی میں نہیں گر گئی۔ نہیں گسے تو اس کی ماں نے اپنی آغوش میں بھر لیا تھا۔ ہاں تو یعنی کہ بس وہی۔۔۔ نوال ضمیر تھی جو ختم ہو رہی تھی۔ اور غوطے کھاتے جسم کے ساتھ ذہن بھی غوطہ کھانے لگا۔
زندہ رہنے کی خواہش نے جو طاقت بھری تھی اور اس کے ہاتھ پیر چلائے تھے اور بڑے چلائے تھے۔ وہ ڈھیلے چھوڑ دیے اور وہ بہہ رہی تھی۔ اور کہیں دور جا رہی تھی۔
مگر۔۔۔
مگر۔۔۔ یہ کیا۔ جب آنکھ کھلی تو خشکی پر کہیں اوندھی پڑی تھی۔ اور پھر گائے ہی کی آواز پر ٹیلے تک کا سفر۔۔۔ اور اب۔۔۔
"پانی کے اندر۔۔۔ بھی اللہ ہوتا ہے ناں۔" اس نے اخفش کے آگے سوال دہرایا جو اس کے چہرے کو پڑھتے ہوئے دل کا حال سمجھ رہا تھا۔
"اللہ کہاں نہیں ہوتا نوال!" اس نے ایک جملے میں بات ختم کر دی۔
"تو پھر دنیا کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟" نوال کا سوال۔۔۔ اس ایک سوال کے جواب کے لیے ایک زندگی تو بہت کم ہوتی اور اخفش کیا جواب دیتا۔
"آجائے گی۔" اس نے بہت پیار سے کہا۔ "تم سمجھ گئی ہو ناں۔"
"ہاں!" نوال نے سر ہلایا۔ "اور تمہیں بھی۔"
"ہاں مجھے بھی۔۔۔" اخفش نے جواب دیا۔
"کب۔۔۔ کیسے؟" نوال کا ذہن کہیں اور سے واپس آ ہی نہ رہا تھا۔
"جب تم ڈوبیں۔ اور جب تم مل گئیں۔"
"کیا۔۔۔ مطلب؟" نوال کے سر میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ کراہی تھی۔
"پھر کبھی بتاؤں گا۔ ابھی نماز پڑھ لوں؟ اور تم آرام سے لیٹو۔۔۔ ٹھیک ہے۔" وہ اسے کسی کانچ کی گڑیا کی طرح محسوس کرتا ہوا بولا تھا۔
"ہوں۔" نوال نے آنکھیں موندیں' سوچوں اور گفتگو نے اس کی نقاہت کو حد سے سوا کر دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

اسے رات ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ زخمی ہے۔ مگر دن کی روشنی نے اسے شدید صدمے میں مبتلا کر دیا۔ نیل، سوجن، خراشیں اور زخم... وہ دکھتا پھوڑا بنی اخفش کا دل چیر رہی تھی۔

"وہ ہماری مدد کو آئیں گے نوال! تم ہمت رکھنا۔ میرا فون بھی بند ہو چکا ہے..." وہ بہت فکر مند تھا۔ نوال نے سر ہلایا۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ ہم دونوں کبھی اس طرح ہوں گے۔" وہ اسے باتوں سے بہلا رہا تھا۔ جو اپنی ظاہری حالت سے قطع نظر ہمت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"دونوں نہیں... تینوں۔" نوال نے گائے کو دیکھا۔

"ہاں!" وہ ہنسا "ہم تینوں..."

اخفش کھڑا ہو گیا۔ اسے تاحد نگاہ پانی نظر آتا تھا۔ ٹوٹے تیرتے درخت۔ کچھ ساز و سامان... ہاں دائیں جانب دور ایک سڑک تھی۔ مگر وہاں تک کیسے جایا جائے۔

سناٹا خاموشی...

"ہم تم اک جنگل سے گزریں اور شیر آجائے۔" اخفش گنگنایا۔

"شیر سے میں کہوں گی، مجھے چھوڑ کے تمہیں کھا جائے۔" نوال کی آواز مدھم تھی۔ مگر جواب نے اخفش کے کان کھڑے کر دیے۔

"ہیروئین نے کہا تھا۔ تمہیں چھوڑ کر مجھے کھا جائے اور تم۔" اس کا جملہ خفا تھا مگر انداز نہیں۔

"پہلی بات۔ میں ہیروئین نہیں... دوسرے مجھے کھائے گا شیر تو کیا خاک پیٹ بھرے گا... ہڈیوں کا پنجر ہوں۔ ہاں اس پر چوٹ کی تھی تم ضرور اس کی شکم سیری کر سکتے ہو۔"

نوال نے مدھم نقاہت زدہ لہجے میں اٹک اٹک کر بھی مگر اس سے عجیب بات یہ ہوئی کہ اخفش خفا نہیں ہوا بہت بلند آواز سے ہنس دیا۔

"اس کا مطلب ہے طبیعت بہتر ہو رہی ہے۔ سب سے پہلا اثر زبان کی کار کردگی پر آیا ہے۔" نوال مسکرا دی۔

"اور تم نے یہ کیوں کہا کہ تم ہیروئین نہیں ہو۔ ہیروئین اور کیسی ہوتی ہے۔ دوسروں کی جانیں بچانے والی... اپنے لیے نہیں، دوسروں کے لیے سوچنے والی۔"

"تم یہ سب میرے لیے کہہ رہے ہو؟" نوال کا جسم نڈھال تھا۔ دماغ واقعی کام کرنے لگا تھا۔

"ہاں!" اخفش نے اعتراف کیا۔ اس نے ساری رات اسے ڈھونڈتے ہوئے خود سے تمام اعترافات کر لیے تھے۔ اب کیوں جھجکتا۔

"تمہیں ڈر نہیں لگا کہ تم کو بھی تو کچھ ہو سکتا تھا۔ تم کسی اور سے بھی کہہ سکتی تھیں بچی کو لانے کے لیے۔" اخفش نے پوچھا۔

"کہہ دیتی... میں کسی پلان کے تحت تو نہیں بھاگی تھی۔ بعض فیصلے بروقت کرنے ہوتے ہیں بچی کے لیے جانا بھی ایسا ہی ایک فیصلہ تھا اور دوسرے میں سمجھتی ہوں۔ دوسروں پر اعتماد کرنے سے بہتر یہ ہوتا ہے کہ انسان خود اپنے آپ پر بھروسا کرے۔"

نوال ایسا جواب ہی دے سکتی تھی۔ نوال کو سمجھنے کے لیے ایک رات کم تھی۔ اس کے لیے تو پوری زندگی چاہیے تھی... زندگی بھر کا ساتھ۔

وہ کھردری زمین پر چت پڑی تھی۔ ایک ہاتھ پیٹ پر دھرا تھا۔ آسمان کو دیکھ لیتی یا پھر بہتے پانی کے ریلے کو... کبھی نقاہت سے آنکھ بند بھی کر لیتی۔

مگر وہ بے فکر تھی۔ اسے کوئی خوف نہیں تھا کہ اتنی ناگفتہ بہ حالت میں وہ پانی کے بیچ و بیچ پھنسی ہے۔ اور اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتی۔

ہائے وائے... شور شرابا... شکوے شکایت... رونا دھونا... کیا کیا نہ ہوتا۔ مگر نوال ضمیر... وہ واقعی خاص لڑکی تھی۔

خالص جیسے جنگل کا شہد...

نتھری ستھری جیسے آبشار کا پانی۔۔۔
قیمتی جیسے سیپ کا موتی۔۔۔
انمول خزانہ۔۔۔ دعا۔۔۔

ہاں دعا جو اخفش انعام نے ساری رات مانگی تھی۔ کیوں مانگی تھی۔ کیا اس لیے کہ اسے جواب دہی کا ڈر تھا۔ وہ نانو سے کیا کہتا یا نوین کا سامنا کیسے کرتا پھر دادا جان اور ضمیر خان۔۔۔ "نہیں۔" اخفش کے اندر کسی نے سرکشی سے نفی کی۔

ان سب لوگوں کو۔۔۔ اور تمام دنیا کو دینے کے لیے اس کے پاس جواب تھے مگر مسئلہ یہ ہوا کہ اس کے پاس خود اپنے آپ کو دینے کے لیے کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ کیسے خود کو سمجھاتا کہ اس نے نوال ضمیر کو کھونے دیا۔ کھو دیا؟ نہیں۔۔۔

اس کے پاس خود کو مطمئن کرنے کے لیے جواب نہیں تھا۔ سب سے مشکل کام اپنے آپ کو سمجھانا ہوتا ہے۔ اپنے دل کو۔ اپنی نظر کو۔۔۔

وہ نظر جواب بار بار اس پر اٹھتی تھی۔ وہ دل جو اس کی اور امنڈ تا تھا' دھڑکن کی نئی لے۔

اور اخفش انعام اور نوال کے لیے ایسی سوچیں۔۔۔

یہ حیرت آمیز سوال۔۔۔ شرمندگی نہیں خوشی تھا۔

اور پتا نہیں وہ نوال سے یہ سب کیسے کہے گا اور کہہ بھی دے تو کیا وہ مان جائے گی۔

بڑا مشکل مرحلہ۔۔۔ اف

مگر ابھی کیا کرے۔ یہاں سے کیسے نکلے؟

"میں سوچ رہی ہوں اخفش۔۔۔" نوال کی آواز پر وہ چونکا۔ "یہاں گاؤں میں بہت بڑا توا ہوتا ہے۔ جس کو الٹا کر کے بہت سی روٹیاں بناتے ہیں تو اگر ہمیں وہ مل جائے تو۔۔۔ ہم اسے کشتی کی طرح یوز کر کے دور سڑک تک جا سکتے ہیں۔"

"ہائیں!" اخفش بری طرح چونکا "آخر ایسے آئیڈیے اسے کیوں نہیں سوجھتے اسے خود پر افسوس ہوا۔

"ہاں مگر۔۔۔ یہ گائے؟"

"اس کی رسی کھول دیں گے ناں۔۔۔ یہ ٹیلے پر ہی چرتی رہے گی۔ پانی اترتے ہی اس کے مالک یہاں پہنچ جائیں گے۔"

نوال واقعی جن کا بچہ تھی' جو سب خبر رکھتی تھی یا اسے اللہ نے خاص قوت مشاہدہ دی تھی۔

"اور بالفرض اگر توا نہیں ملتا ہے تو۔۔۔؟" اخفش نے پوچھا۔

"تو۔۔۔" نوال نے کروٹ لی۔ تکلیف نے پورے چہرے کو سلوٹ زدہ کر دیا۔ اخفش بے تابی سے آگے آیا مگر نوال نے ہاتھ اٹھا کر اسے راستے ہی میں رک جانے کا اشارہ کیا۔ اخفش ٹھہر گیا۔

"تو ہم یہیں رہ جائیں گے۔ وہی زندگی جب انسان دنیا میں ہر دن مشقت سے جیتے تھے۔ روز رزق کی تلاش۔۔۔ اور ہمارے پاس تو ایک گائے بھی ہے۔"

نوال نے پیار سے گائے کو دیکھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا' ہمارے بیچ ہمیشہ گائے بکرے کیوں آتے ہیں۔"

"اس لیے کہ تم خود ایک ہینڈسم گائے ہو۔"

"میرے موٹاپے کو ہٹ کر رہی ہو۔"

"نہیں۔۔۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں' تم کیا ہمیشہ ایسے ہی رہو گے' وزن کم کرنے کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔"

"اب سوچوں گا۔" وہ کسی عہد کو دل ہی دل میں دہرا رہا تھا۔

"اب کیا ہوا ہے۔"

"وہ جو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" اخفش مسکرایا۔

"کیا؟" نوال کچھ نہیں سمجھ رہی تھی۔

"یہی کہ میں تمہیں تسلیم کرنے لگا ہوں۔"

"اچھا!" نوال کو حیرت ہوئی۔ "پہلے نہیں کرتے تھے؟"

"ہاں پہلے نہیں کرتا تھا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

اخفش چپ رہا۔ نوال بھی چپ ہو گئی۔ پھر کچھ

سوچتے ہوئے لب کھولے۔
"کسی کو تسلیم نہ کرنے کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں۔ آپ اس سے گھبراتے ہیں اسے کم تر سمجھتے ہیں یا پھر برتر۔"
نوال نے جملہ ادھورا چھوڑا۔۔۔ اخفش اب بھی نہ بولا۔ نوال کچھ سوچ کر مسکرائی۔
"میں کم تر ہو نہیں سکتی۔ یہ میں جانتی ہوں۔ برتر ہوں' یہ تم کبھی بتاؤ گے نہیں۔" نوال نے بات ختم کر دی' بلاوجہ وہ اسے امتحان میں ڈالے کہ وہ سچ جھوٹ کا آمیزہ تیار کرے مروت میں۔۔۔
"اور اگر میں کہوں میں مان گیا ہوں۔ تم برتر ہو تو۔۔۔"
"یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہو گا۔" نوال اسے جانتی تھی۔
"یہ اس صدی کا سب سے بڑا سچ اور اقرار ہے نوال۔"
اخفش کا لہجہ اور آنکھیں رنگ بدل گئیں۔ نوال اب بھی نہ چونکی آخر کو وہ نوال ضمیر خان تھی جس کا ضمیر یعنی اس کی عقل، سوچ، فہم ابھی برقرار تھی۔
"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے ناں؟" وہ دونوں کہنیوں کے بل ذرا اوپر کو اٹھتے ہوئے بولی۔
اخفش نے فقط سر ہلایا۔ وہ نوال کو بغور دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار۔۔۔ زندگی میں پہلی بار نوال نے پلکیں جھپکیں۔ پہلو بدلا اور پھر نگاہیں چرائیں یعنی کہ کمال ہو گیا۔
"یہ پہلی نظر کی ناپسندیدگی تھی نوال۔۔۔ میری طرف سے تمہارے لیے۔ جو بعد میں خودرو جھاڑی کی طرح بڑھتی چلی گئی۔ کانٹوں سے بھری جھاڑی۔۔۔ مجھے ہمیشہ لگا تم میری مردانگی کو چیلنج کرنے کے لیے سب کچھ کرتی ہو۔ لیکن مجھے اب پتا چلا۔ تم مردوں کو نہیں حالات کو چیلنج کرتی ہو۔ تمہاری لڑائی فرد سے نہیں معاشرے سے ہے۔
میں یہ نہیں کہوں گا۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت سی لڑکیاں دیکھیں مگر تم سی ایک بھی نہیں دیکھی اور مجھے لگتا ہے۔ آئندہ کبھی دیکھوں گا بھی نہیں۔۔۔ باقی کی زندگی کے لیے تم ایک ہی کافی ہو نوال۔۔۔!"
یہ اظہار و اقرار کے لیے انتہائی نامناسب جگہ و موقع تھا مگر وضاحت دینے کے لیے اب کیا وہ کسی مضمون دان سے صفحہ لکھوا کر لاتا۔
جو دل میں آ رہا تھا وہی بول دیا' جبکہ دوسری طرف نوال کی مردانہ وار زندگی میں اس طرح کا موقع پہلی بار بنا تھا اور وہ۔۔۔ بھی اخفش انعام۔
(اور تھی تو وہ بھی ایک لڑکی ہی ناں۔۔۔ نظر نہ پہچانتی)
"تم اکیلی لڑکی دیکھ کر فلرٹ کی کوشش کر رہے ہو اخفش!" اس نے لہجہ دبنگ بنایا۔
اخفش ہنس دیا "تم سے کس نے کہہ دیا کہ تم وہ لڑکی ہو جو اکیلے پن کا خوف کھائے گی۔ اور بے وقوفی تو وہ کرے جو تمہیں جانتا نہ ہو میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم اب بھی حال اور حالات دونوں کو بھول کر مجھے اس پانی میں غوطے دے سکتی ہو اور مجھے ابھی مرنے کا کوئی شوق نہیں۔"
وہ سچ کہہ رہا تھا۔
"تم شاید بھول رہے ہو۔۔۔ میں نازک اندام نہیں ہوں۔" نوال بہت دیر بعد بولی۔
اخفش بہت دل سے مسکرایا اور یہ بڑی افسانوی ہیرو ٹائپ کی مخصوص مسکراہٹ تھی (موٹا ہیرو) نوال پہلی بار سٹپٹائی۔
"میں جانتا ہوں۔ تم نازک اندام ہو بھی نہیں سکتیں۔"
"مطلب؟" نوال نے تیکھے چتون سے اسے دیکھا (وہ نوال کو نازک سے کمتر تو نہیں کہہ رہا کہیں۔۔۔)
"مطلب۔۔۔ مطلب یہ کہ نازک۔۔۔ نازک ہے اور نوال۔۔۔ نوال ہے۔"
"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ غوطہ میں نے کھایا تھا مگر ابھرے تم نہیں ہو اب تک؟"
نوال نے شہادت کی انگلی کنپٹی کے گرد پیچ کس کی طرح موڑی۔
"دماغ چل گیا ہے۔ بجائے اس کے۔۔۔ کہ اس

مشکل سچویشن سے نکلنے کا سامان کرو نجانے کہاں کہاں کی ہانک رہے ہو۔"

نوال کی جسمانی نقاہت برقرار تھی اور اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ مگر اس نے اپنے مخصوص با اعتماد انداز کو اختیار کرتے ہوئے اخفش کو لتاڑا تھا مگر دوسری جانب اخفش۔۔۔

اخفش کا دل بدلا تھا۔۔۔ دل سیدھی سے سیدھی بات میں بھی اپنی مرضی کے نئے معنی نکال رہا تھا۔

"مشکل سچویشن کیوں؟ ابھی خود ہی تو کہہ رہی تھیں آدم و حوا کی طرح زمین پر دو انسان بن کر رہیں گے۔"

"آدم و حوا۔۔۔؟ یہ میں نے کب کہا۔" نوال چلائی۔

"ابھی تو کہا تھا۔۔۔ اور ہمارے پاس تو ایک گائے بھی ہے۔" اخفش کی طمانیت کی حد تھی۔ وہ تو زندگی بھر کی پلاننگ کر چکا تھا گویا۔

"اور پھر پانی اترے گا اور دونوں اپنے اپنے گھر کی راہ لیں گے۔" نوال نے آئینہ دکھایا جیسے چڑایا۔

"محبت کا دریا ایک بار چڑھ جائے تو پھر کبھی نہیں اترتا۔" اخفش نے بے فکری سے کہا۔

"محبت۔۔۔؟" نوال کے لب ہلے "کس سے؟"

"تم سے۔۔۔"

"یہ کب کی بات ہے؟" نوال نے کڑک لہجہ اختیار کیا۔

"کل شام کی۔۔۔" ڈھیلے پن سے بیٹھا ادھر ادھر دیکھتا اخفش ایک دم سیدھا ہو بیٹھا اور سنہری آنکھوں کے اندر جھانکا۔

"کل شام جب مجھے پتا لگا کہ تم کھو گئی ہو۔۔۔ ڈوب گئی یا بہہ گئی ہو تب اور جب میں سب سے لڑ رہا کہ نوال کو لیے بغیر نہیں جاؤں گا اور ایک فوجی بھائی کا گریبان پکڑ لیا۔ اور جب میں دلدلی زمین پر لت پت چلتا تمہیں پکارتا تھا اور روتا تھا اور پھر ہانپ کے بیٹھ جاتا تھا اور پھر جب دوبارہ عزم سے اٹھ کھڑا ہوتا تھا کہ تمہیں ڈھونڈ کر ہی دم لوں گا اور پھر جب۔"

"یہ سب تم کر رہے تھے؟" نوال ساری تکلیف بھلا کے اٹھ بیٹھی۔

اخفش نے بی بے بچے کی طرح سر زور زور سے ہلایا۔

"میرے لیے..." نوال نے ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر تصدیق چاہی۔

وہ اب تک اس سب قصے کو بے یقینی سے بس سن رہی تھی پہلی بار گمبھیرتا کا احساس ہوا۔

"نہیں نوال!" اخفش کے لہجے میں زمانے بھر کی سنجیدگی امڈ آئی۔

"اپنے لیے... میں اپنے لیے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ خدا کی قسم اگر تمہیں کچھ ہو جاتا یا تم نہ ملتیں۔ اس سے آگے میں سوچ ہی نہ پا رہا تھا۔ اور پھر جب تم مل گئیں۔ مجھے اپنی پوری زندگی میں اتنا سکھ اور اتنی کچی خوشی کبھی محسوس نہیں ہوئی۔" اس کا لہجہ سچائی کا مظہر تھا۔

"تم بھی تو کچھ کہو۔" اسے نوال کی خاموشی کھلی تھی۔

"وہ... وہ دیکھو ہیلی کاپٹر..."

نوال نے الگ ہی بات کی، اخفش بری طرح چونکا۔ ہاں بہت دور آسمان پر ہیلی کاپٹر تھا دور... دور اور پھر نزدیک پھر ٹیلے کے عین اوپر... پھر نزدیک ہوتا ہوا۔

"یہ ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں نوال!" اخفش کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

"ہاں...!" نوال کے چہرے پر جوش اتر آیا۔ آواز بہت قریب آگئی۔

"ہیلی کاپٹر سر پر منڈلانے لگا پھر اس میں سے سیڑھی نکلی پھر دو جوان...

"لانچ لانا مشکل ہے پانی کا بہاؤ نامناسب ہے۔ ہم آپ کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہی ریسکیو کر سکیں گے۔" کوئی بتا رہا تھا۔

"مگر... یہ زخمی ہے؟" نوال کی زبان یقیناً "فعال ہو چکی تھی۔ مگر جسمانی چوٹیں... وہ سیدھی کھڑی نہ ہو پائی اور چلنے کی کوشش میں تو دھڑام سے گری تھی۔

"دیکھیے موسم کے تیور اچھے نہیں۔ ابھی آسمان صاف لگ رہا ہے مگر گرج چمک ہے جتنی جلدی ہو یہاں سے نکل جانا بہتر ہے۔ میدان کی حالت... ہمارے پاس وقت بھی کم ہے اور سہولتیں اس سے بھی کم... ابھی بند کے قریب ایک گھر کی چھت سے بھی چند لوگوں کو ریسکیو کرنا ہے۔ بارش ہو گئی تو ہیلی کاپٹر بھی نہیں آسکے گا۔"

نوال ایک بار پھر بے دم سی بیٹھی تھی۔ اس بار گرنے سے زخم دوبارہ تکلیف دینے لگے تھے۔ نجانے کہاں کہاں درد اٹھنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

سارے گھر نے سانس روک کر... بلکہ منہ پر ہاتھ رکھ کے چیخیں روکنے کی کوشش کرتے ہوئے اس منظر کو ٹی وی اسکرین پر دیکھا تھا۔ یہ لائیو ٹیلی کاسٹ نہیں تھا مگر ہر بار زینت بیگم اور صوفیہ دادی کا دل اچھل کر حلق میں آجاتا اور وہ زیرِ لب آیات پڑھ کر ٹی وی پر بھی پھونکنا شروع کر دیتیں۔

لیلیٰ بیگم نے ہر بار منہ بنا کر یاد دلایا تھا۔

"یہ ریکارڈڈ سین ہے اور اب تو وہ دونوں کیمپ ہسپتال میں ہیں اور کل صبح تک گھر پہنچنے والے ہیں۔" نازک نے بھی منہ بنایا تھا۔

اس نے اپنی نانو جان کو بہت رو رو کر بتایا تھا۔ واپسی کے سفر میں وہ بہت مشکلوں سے سب کے ساتھ پھنس پھنسا کر گھر پہنچی ہے (ابھی ہی پہنچی تھی)۔

اور بھی بہت سے شکوے شکایات جو لیلیٰ بیگم کے دل پر آرے چلا رہے تھے۔

"یہ اخفش تو بڑا ہی غیر ذمے دار نکلا۔ کیسے بچی کو تنہا چھوڑ گیا۔

اور اب کیسے اس فتنی (نوال) کو لپٹائے سیڑھی سے لٹکا کھڑا ہے۔ ارے اس نوال کو سہارے کی بھلا کیا ضرورت... سو مردوں کا ایک مرد اور ایک میری نازک... آئے ذرا تو پوچھوں گی کہ تمہاری ذمہ داری میں بھیجا تھا میاں... خود تم سیر سپاٹوں کو نکلے۔ اور..."

"پتا نہیں۔۔۔ میری بچی کس حال میں ہو گی۔ رات بھر ڈوبی رہی پھر زخمی اور بھوکی پیاسی۔۔۔" زینت بیگم کا افسوس۔

"آنٹی جی! یہ پرانی ویڈیو ہے۔ اس وقت تو نوال آرمی ہسپتال میں تمام تر سہولتوں کے ساتھ زیرِ علاج ہے۔ اور کل تک یہاں شفٹ ہو جائے گی۔"

اخطب نے کتنی ہی بار بتایا تھا۔ مگر ساس اور صوفیہ دادی کچھ سمجھنے کو تیار نہیں تھیں۔ چینل بدل بدل کر یہی منظر دیکھتی تھیں اور روتی تھیں۔

"نوال اور کسی کا سہارا لے۔۔۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا اور ادھر اسے سیفٹی بیلٹ کے ذریعے اخفش سے باندھا گیا ہے باقاعدہ۔" تو ین کا رونا اور طرح کا تھا۔

اور اس جملے پر رونا ایک بار پھر شروع ہو جاتا۔ ادھر ضمیر خان بمعہ اہلیہ پہنچنے والے تھے۔ فکر ہی فکر۔۔۔

"پتا نہیں کس تکلیف میں مبتلا رہی میری بچی۔۔۔ یہ تو وہی جانے ناں۔ ہم تو بس اندازہ ہی لگا سکتے ہیں۔" نانو کی ایک ہی گردان تھی۔

اور بچی واقعی مشکل میں تھی۔ ہیلی کاپٹر سے نکلی سیڑھی بہت آہستگی سے اوپر کو اٹھ رہی تھی۔ یہ چند منٹوں کا ہی کام تھا۔ مگر جن پر بیت رہی تھی بالخصوص نوال۔۔۔ اس پر دو مصیبتیں پڑی تھیں۔ دو باتیں۔ ایک اخفش کو حیران کر گئی۔ دوسری نوال کو پریشان کر گئی۔

ہیلی کاپٹر کا بے پناہ شور اور ہوا۔۔۔ اور اس میں اخفش کان سے ہونٹ جوڑ کر پوچھ رہا تھا۔

"تمہیں ڈفرنٹ کرنا اچھا لگتا ہے ناں۔۔۔ اگر میں دنیا کا سب سے انوکھا کام کروں تو۔۔۔"

"کیا؟" نوال نے حلق کے بل چلا کر کہا تھا۔

"تمہیں پرپوز کروں؟"

"کیا؟" وہ پھیپھڑوں کے بل چلائی تھی۔

"تمہیں پرپوز کر رہا ہوں۔" وہ بھی سارے جسم کی طاقت لگا کر بول رہا تھا۔ اور یہ دنیا کا سب سے ڈفرنٹ اسٹائل ہو گا کسی لڑکی کو پرپوز کرنے کا۔"

"کیا کرنے کا؟" ہوا سے منہ پر آتے بال آنکھوں اور منہ کے اندر پڑ رہے تھے۔ سخت مصیبت۔۔۔

"او خدا۔۔۔!" اخفش کی آنکھوں میں بھی ہوا خنجر کی طرح چبھ رہی تھی۔ مرچیں لگ رہی تھیں "مجھ سے شادی کرو گی؟"

"کیا؟" اب کی بار نوال نے سن بھی لیا تھا اور کیا سوالیہ نہیں حیرانی تھا۔

اخفش نے سوال دہرایا۔ "مجھ سے شادی کرو گی؟"

"کب۔۔۔؟"

"گھر جا کر۔۔۔"

"نہیں۔۔۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈ۔۔۔ مجھ سے؟" اخفش کو صدمہ ہوا۔

"نہیں۔۔۔" اونچا بولنے سے گلے میں خراشیں پڑ گئی تھیں۔

"پھر۔۔۔" اخفش کو وجہ جاننے کی بے تابی تھی۔ مگر نوال کے جواب سے پہلے وہ دونوں ہیلی کاپٹر کے اندر تھے۔

"تمہیں کس چیز سے ڈر لگ رہا تھا نوال؟" نوال

اور ڈر..... اخفش کی سوئی ڈر پر اٹک گئی تھی۔

"ایسے ہوا میں لٹکنے سے مجھے ڈر لگ رہا تھا اخفش۔"

نوال کا لہجہ اور پھٹی آنکھیں خوف کو ظاہر کر رہی تھیں۔ جبکہ اخفش کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا نوال کی شکل دیکھتا رہ گیا۔ جواب بھی جھرجھری لے رہی تھی۔

ابھی جو پل بھر پہلے وقت گزرا تھا۔ وہ سب.....

"اور تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا....."

بہت دیر بعد اخفش نے پوچھا۔

"کون سی بات.....؟"

"وہی جو میں کہہ رہا تھا۔"

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"تم نے سنا نہیں۔" اسے کہہ کر اتنا مزہ آیا تھا اور اگلی نے سنا ہی نہیں۔

"وہی پرپوزل....."

"کس کا پرپوزل....." نوال کنپٹی کو داب رہی تھی۔

"تم نے واقعی نہیں سنا تھا۔" اخفش کو صدمہ ہوا اور شک بھی ہوا کہ شاید وہ اسے چلا رہی تھی۔

نوال نے جواب دینے کے بجائے آنکھیں میچ اور ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلایا۔ یوں لگا وہ کسی درد میں مبتلا ہے۔ ضبط کر رہی ہے۔

اور ادھر اخفش نے بھی یک دم ہونٹ بھینچ لیے۔

اب وہ کچھ نہ بولے گا۔ کیا دہرائے۔ اب سوچ سمجھ کر بولنا پڑتا۔ وہ جملے زیادہ اچھے اور فطری تھے۔ جو اس نے ہوا میں جھولتے یوں ہی کسی جذب کی کیفیت میں کہے تھے۔ وہ ہیلی کاپٹر کی کھڑکی سے دور نیچے زمین کو دیکھنے لگا۔ ذہن یک دم خالی سا ہو گیا تھا۔

چہرے پر شگفتگی سی آ گئی تھی۔ پھر اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا لیا۔ وہ بھی ذہنی اور جسمانی مشقت جھیل کر نڈھال تھا۔ تکان عود کر آئی تھی۔ اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر تھکان کا مظاہرہ کرتی نوال نے انگلیوں کی جھری سے اخفش کو دیکھا تھا اور چہرے کے رنگ بدلتے تاثرات سے نتیجہ اخذ کیا تھا۔

شگفتگی..... مایوسی..... مشکل..... امید۔

"اور میں نے سب سن لیا تھا اخفش.....! جو تم یوں ہوا میں لٹکتے کہہ رہے تھے۔ اور سب دیکھ لیا تھا۔ جو فکر، پریشانی اور لگاؤ تمہاری آنکھوں اور حرکات سے جھلک رہا تھا۔ مگر یہ وقتی کیفیت بھی تو ہو سکتی ہے۔

عجیب و غریب حالات کی عجیب بات..... جذباتیت..

کچھ وقت گزرتا..... زندگی معمول پر آتی۔ وہی گھر۔ وہی لوگ۔ وہ باتیں.....

نوال اپنے رنگ میں..... اور اخفش اپنے۔

پھر اگر اخفش دوبارہ یہی بات کرتا تب وہ ضرور سوچتی، تب وہ ضرور جواب دیتی۔ ہاں یا ناں؟ اس کا فیصلہ تو پھر وقت نے کرنا تھا۔

"ہاں مگر اخفش۔" نوال کے لبوں پر مسکراہٹ کے پھول کھلے۔

"تمہاری کیئر..... تمہاری فکر..... اور وہ ساری جدوجہد..... تلاش۔ سب میں نے دیکھیں اور سچ کہوں..... تو شاید میں تمہیں جانتی بھی نہیں۔ جو تم نظر..... تم اتنے کیئرنگ ہو گے مجھے پتا نہیں تھا اور رومانٹک بھی ہو۔ اس پر میں حیران ہوں..... بے یقین ہوں..... ہاں کچھ وقت گزرے تو پھر شاید تسلیم کر لوں..... مگر کچھ وقت.....

جذباتیت اچھی لگتی ہے مگر دیرپا نہیں ہوتی۔ انسان کو سب رشتے بنے بنائے ملتے ہیں بس یہی ایک رشتہ بنانا پڑتا ہے اور یہی موا اکثر ٹوٹتا ہے۔ اور نوال کو ایسا رشتہ نہیں بنانا تھا۔ وہ صاف گو تھی..... صاف دل..... حقیقت پسند.....

ایسی صورت حال میں اس طرح پرپوزل نے نوال کو گدگدایا تو تھا۔ ہاں وہ کبھی زندگی میں بہت غرور سے بتائے گی کہ اخفش نے اسے کیسے اور کب پرپوز کیا مگر وہی کچھ وقت گزرے تو.....

اور یہ بھی ہے کہ

لڑکیاں اتنی جلدی مانتی اچھی بھی تو نہیں لگتیں۔

✿